اخبار الرایہ

شمارنمبر 609

(22-جولائی-2026)

(عربی سے ترجمہ)

مصر اور ساموارئی بانڈز کا اجراء 2
عراقی وزیر اعظم علی الزیدی کا دورہ واشنگٹن اور فرضی خود مختاری! 6
خلیج تعاون کونسل امریکی ترازو میں تولتی ہے 10
یہودی جرائم کا وزیر غزہ کی تباہی پر فخر کر رہا ہے، اسے خاموش کون کروائے گا؟ 12
ازبکستان کے صدر کا دورۂ جارجیا: یورپ تک رسائی کا راستہ یا ایک نئی غلامی؟ 13
امریکہ اور یورپ کے مابین تعلقات میں بدلتی صورتحال 16
جنوبی سوڈان کا 'ابیئی' کو شامل کرنا اور سوڈانی حکومت کا بودا موقف 19
سوڈانی سیاست میں سیکولرزم کی جڑیں 20
بخاری اور ترمذی کی سرزمین میں بے حیائی اور فحاشی کے میلے 24
قومیں تبھی ترقی کرتی ہیں جب وہ اپنے عقیدے سے نکلنے والے اپنے (آزاد) منصوبے کی مالک ہوں 25
"سول اسٹیٹ" اور موجودہ دور کے چیلنجز 26
یورپی معیشت کس سمت جا رہی ہے؟ 30
مسلمانوں کی سلامتی نہ بین الاقوامی توازن سے حاصل ہوگی اور نہ مغربی وعدوں سے 33
اسلامی ممالک کا اس منظم فساد سے نکلنے کا راستہ جو استعماری مغرب نے ان پر مسلط کر رکھا ہے 34
اے ارضِ مبارک کے باسیو! اپنے آپ کو اس گندگی سے آلودہ نہ کرو جس میں "پی ایل او" لتھڑی ہوئی ہے 35

اے اہل اسلام! ہماری امت بین الاقوامی مذاکرات کے نتائج کے انتظار یا بڑی طاقتوں کی پالیسیوں کی تبدیلی پر تکیہ کرنے سے اپنا مقام واپس حاصل نہیں کر سکے گی، بلکہ یہ اسلامی زندگی کے از سر نو آغاز، اپنے سیاسی فیصلے کی بحالی، اور نبوت کے نقشِ قدم پر خلافتِ راشدہ کے قیام کے لیے کام کرنے سے ہوگا، تاکہ اس کے ذریعے امت کے ممالک متحد ہو جائیں، اس کی دولت و وسائل کی حفاظت ہو، اس کا ارادہ استعمار کے تسلط سے آزاد ہو جائے، اور اسلام زندگی کے قائد کے طور پر دوبارہ لوٹ آئے جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے چاہا ہے: ﴿وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓي اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ "اور اللہ اپنے کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

(سورۃ یوسف: آیت 21)

مصر اور ساموراٸی بانڈز کا اجراء

تحریر: استاد محمود اللیثی

(ترجمہ)

یہ کہنا مبالغہ آرائی نہ ہو گی کہ مصر دیوالیہ ہو چکا ہے یا ہونے کے قریب ہے، کیونکہ اس کا بیرونی مجموعی قرضہ 164 ارب ڈالر سے تجاوز کر چکا ہے اور اندرونی قرضہ 15 ٹریلین (کھرب) پاؤنڈز سے زائد ہو گیا ہے۔ یہ بات یقینی ہے کہ اسے بین الاقوامی اداروں، جیسے کہ ورلڈ بینک اور بین الاقوامی مالیاتی فنڈ سے مزید سودی قرضے حاصل کرنے میں بڑھتی ہوئی مشکلات کا سامنا ہے، سوائے اس کے کہ امریکہ مداخلت کرے یا سفارش کرے، جیسا کہ ماضی میں کئی بار ہو چکا ہے۔ اسی لیے مصر نے اب ایسے قرض خواہوں یا بالفاظِ دیگر نئے مالی معاونین کی تلاش شروع کر دی ہے جن سے وہ عام طور پر قرض نہیں لیتا تھا، چنانچہ اس نے جاپان سے فنڈنگ یا قرض حاصل کرنے کے لیے 'ساموراٸی بانڈز' جاری کرنے کا رخ کیا ہے۔

ساموراٸی بانڈز ایسے قرض بانڈز ہیں جو غیر جاپانی ادارے جاپانی مارکیٹ کے اندر جاری کرتے ہیں۔ یہ جاپانی ین کی قدر میں ہوتے ہیں اور جاپان میں رائج ریگولیٹری قوانین کے تابع ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے یہ فنڈنگ کا ایک ایسا ذریعہ سمجھے

جاتے ہیں جو غیر ملکی ریاستوں اور کمپنیوں کو جاپانی سرمایہ کاروں تک براہِ راست رسائی فراہم کرتے ہیں۔ حالیہ پیشکش میں مصر نے افریقی ترقیاتی بینک گروپ کی جزوی کریڈٹ گارنٹی کے تعاون سے 80 ارب جاپانی ین (50 کروڑ ڈالر) مالیت کے 'پائیدار ساموراِئی بانڈز' جاری کیے ہیں۔

اس اجراء کو خاص اہمیت اس لیے حاصل ہے کہ اس کا تعلق محض [نئے قرض کے حصول سے نہیں ہے، بلکہ یہ عوامی قرضوں کے انتظام (ڈیٹ مینجمنٹ) میں ایک ایسے رجحان کی عکاسی کرتا ہے جس کی بنیاد فنڈنگ کی منڈیوں میں تنوع لانے، سرمایہ کاروں کے دائرہ کار کو وسیع کرنے، اور نسبتاً بہتر شرائط پر طویل مدتی فنڈنگ حاصل کرنے کی کوشش پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سب سے پہلے ان بانڈز کی اصل نوعیت کو سمجھنا ضروری ہے، اور پھر ان اسباب کا بیان اہمیت رکھتا ہے جنھوں نے مصر کو اس وقت یہ قدم اٹھانے پر راغب کیا ہے۔

ساموراِئی بانڈز کی حقیقت یہ ہے کہ یہ قرض حاصل کرنے کا ایک ایسا ذریعہ ہے جو کسی بھی خود مختار یا ادارہ جاتی بانڈ کی طرح ہی ہے، تاہم اس کی انفرادیت تین عناصر میں پوشیدہ ہے: اول یہ کہ اسے جاری کرنے والا ادارہ غیر جاپانی ہوتا ہے، دوم یہ کہ یہ بانڈ جاپانی ین کی قدر میں ہوتا ہے، اور سوم یہ کہ اس کا اجراء جاپانی مارکیٹ کے اندر وہاں کے قانونی اور ریگولیٹری فریم ورک کے مطابق کیا جاتا ہے۔ اسی بنا پر اسے جاپانی منڈیوں میں داخل ہونے اور وہاں کی مقامی بچتوں کو اپنی طرف راغب کرنے کا ایک راستہ سمجھا جاتا ہے، بالخصوص ان مالیاتی اداروں، سرمایہ کاری فنڈز اور انشورنس کمپنیوں کے لیے جو آمدنی کے متنوع اور مستحکم ذرائع (فکسڈ انکم انسٹرومنٹس) تلاش کر رہی ہوتی ہیں۔

جب مصر اس قسم کے بانڈز جاری کرے گا، تو وہ نہ صرف مصر کی مقامی مارکیٹ سے اور نہ ہی صرف روایتی ڈالر بانڈز کی مارکیٹ سے قرض لے رہا ہوگا، بلکہ وہ کرنسی، سرمایہ کاروں اور قیمتوں کے تعین کی شرائط کے لحاظ سے فنڈنگ کے ایک بالکل مختلف دائرے میں داخل ہو جائے گا۔ مصر کا حالیہ اجراء 5 سال اور 10 سال کی دو اقساط پر مشتمل ہے، جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مقصد صرف نقد رقم (لیکویڈیٹی) جمع کرنا نہیں بلکہ ادائیگیوں کی مدت کو طویل وقت پر پھیلانا بھی ہے۔

مصر کی جانب سے ان بانڈز کے اجراء کی پہلی وجہ فنڈنگ کے ذرائع میں تنوع لانا ہے۔ وہ ممالک جو قرض لینے کے لیے محض ایک ہی ذریعے یا ایک ہی مارکیٹ پر انحصار کرتے ہیں، وہ سود (ربا) کی شرحوں میں اتار چڑھاؤ، سرمایہ کاروں کے بدلتے ہوئے رجحانات، یا کسی خاص کرنسی پر بڑھتے ہوئے دباؤ کے سامنے زیادہ کمزور ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس،

ساموارئی بانڈز کا اجراء مصر کو مغربی منڈیوں یا ڈالر کی قدر والے قرضوں کے آلات پر مکمل انحصار سے دور لے جا کر جاپان میں سرمایہ کاروں کے ایک نئے طبقے تک رسائی فراہم کرے گا۔

دوسری وجہ قرض کی اوسط مدت میں اضافہ کرنا ہے۔ جب وزارتِ خزانہ 5 اور 10 سال کی مدت کے بانڈز جاری کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے، تو اس سے مستقبل قریب میں واجب الادا ادائیگیوں کا دباؤ نسبتاً کم ہو جاتا ہے، اور اسے نقد بہاؤ (کیش فلو) کے انتظام اور عوامی قرضوں کی ادائیگی (ڈیٹ سروسنگ) میں زیادہ گنجائش مل جاتی ہے۔ یہ نکتہ مصر کے لیے انتہائی اہم ہے کیونکہ وہ جمع شدہ مالیاتی دباؤ کو مؤخر کرنے اور بیرونی و اندرونی قرضوں کے بیک وقت بڑھتے ہوئے حجم سے پیدا ہونے والے "برف کے گولے" (اسنوبال ایفیکٹ) کے اثرات کو کم کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

تیسری وجہ فنڈنگ کی لاگت میں کمی یا اس کی شرائط کو بہتر بنانے کی کوشش ہے۔ افریقی ترقیاتی بینک گروپ کی جانب سے جزوی کریڈٹ گارنٹی کی موجودگی سرمایہ کاروں کے پائے جانے والے خدشات کو کم کرتی ہے، اور یہ کسی غیر ضمانتی اجراء کے مقابلے میں قیمتوں (سود کی شرح) کے تعین کو بہتر بنانے میں معاون ثابت ہو سکتی ہے۔ مزید بر آں، جاپان جیسی منظم مارکیٹ میں اس اجراء کی کامیابی مصر کی متنوع مارکیٹوں تک رسائی کی صلاحیت کے بارے میں ایک مثبت اشارہ دے گی، جو مستقبل کے دیگر اجراء میں بھی اس کے لیے سودمند ثابت ہو سکتی ہے۔

جہاں تک مصری اجراء کے 'پائیدار' پہلو کا تعلق ہے، تو معاملہ صرف 'ین' کرنسی میں اجراء تک محدود نہیں ہے، بلکہ ان بانڈز کو باقاعدہ 'پائیدار ساموارئی بانڈز' قرار دیا گیا ہے، یعنی ان سے حاصل ہونے والی رقم مصر میں پائیدار خود مختار فنڈنگ کے فریم ورک کے تحت منظور شدہ منصوبوں پر خرچ کی جائے گی۔ یہ عالمی مالیاتی منڈیوں کے اس بڑھتے ہوئے رجحان کے عین مطابق ہے جہاں سرمایہ کاروں کا ایک طبقہ اب ایسے مالیاتی آلات کو ترجیح دیتا ہے جو واضح اور قابلِ نگرانی ترقیاتی، ماحولیاتی یا سماجی منصوبوں سے جڑے ہوں۔ یہ وہ موقف ہے جو سرمایہ کاروں کو مطمئن کرنے کے لیے سرکاری طور پر پیش کیا گیا ہے، جبکہ بعض ناقدین کا خیال ہے کہ یہ رقوم بھی بدعنوانی، اقرباپروری اور نمائشی منصوبوں کی نذر ہو سکتی ہیں۔

مالیاتی نقطہ نظر سے، اس اجراء سے مصر کو کئی براہِ راست اور بالواسطہ فوائد حاصل ہونے کی توقع ہے؛ ان میں سے پہلا فائدہ 80 ارب ین کی صورت میں طویل مدتی فنڈنگ کا حصول ہے، جو پائیدار فنڈنگ کے فریم ورک کے تحت اہل منصوبوں کی مالی ضروریات کو پورا کرنے میں مدد دے گا۔ دوسرا فائدہ قرضوں کے ڈھانچے میں بہتری ہے، جو کہ

ادائیگیوں کو قلیل مدت کے شدید دباؤ میں مرکوز کرنے کے بجائے درمیانی اور نسبتاً طویل مدت پر پھیلا کر حاصل کی جائے گی۔

اسی طرح، افریقی ترقیاتی بینک گروپ کی جانب سے فراہم کردہ جزوی کریڈٹ گارنٹی سرمایہ کاروں کے مطالبہ کردہ 'رسک پریمیم' (خطرہ مول لینے کا معاوضہ) کو کم کرنے میں مددگار ثابت ہوسکتی ہے، جس کا مطلب ایسی صورتوں کے مقابلے میں قرض کی لاگت میں کمی ہے جہاں اس طرح کی مدد میسر نہ ہو۔ جہاں تک اس کے بالواسطہ اثر کا تعلق ہے، تو یہ مصر کے بین الاقوامی سرمایہ کاروں کے دائرے کو وسعت دینے اور ایک بڑی ایشیائی مارکیٹ میں اس کی موجودگی کو بہتر بنانے کی صورت میں ظاہر ہوگا، جو مستقبل میں متنوع کرنسیوں یا فنڈنگ کے مختلف ڈھانچوں کے ساتھ نئے اجراء کے لیے راستہ کھول سکتا ہے۔ تاہم، یہ نتائج اس بات پر منحصر ہیں کہ موجودہ نظام ایسے حقیقی ترقیاتی منصوبے شروع کرنے میں کتنا سنجیدہ ہے جو اتنی آمدنی پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں جو معیشت کی بہتری، قرضوں کی سروسنگ اور ان کی واپسی میں معاون ثابت ہوسکے۔

ساموراِئی بانڈز محض ایک دلکش مالیاتی اصطلاح نہیں ہے، بلکہ یہ فنڈنگ کا ایک ایسا ذریعہ ہے جو غیر جاپانی ممالک کو جاپانی مارکیٹ سے جاپانی ین میں قرض لینے کی اجازت دیتا ہے، جو انہیں سرمایہ کاروں کے ایک مختلف طبقے تک رسائی اور فنڈنگ کی ایسی شرائط فراہم کرتا ہے جو مخصوص حالات میں موزوں ہوسکتی ہیں۔ مصر نے اس آپشن کا انتخاب اس لیے کیا ہے کیونکہ وہ فنڈنگ کے ذرائع میں تنوع لانا، قرضوں کی ادائیگی کی مدت (میچورٹی) کو طویل کرنا، اور پائیدار ترقی کے منصوبوں کے لیے طویل مدتی فنڈنگ کا انتظام کرنا چاہتا ہے، جبکہ اس کے ساتھ ساتھ اجراء کی کشش بڑھانے کے لیے جزوی کریڈٹ گارنٹی سے فائدہ اٹھانا بھی اس کے پیشِ نظر ہے۔

اس طرح یہ کہا جاسکتا ہے کہ مصر کی جانب سے ساموراِئی بانڈز کا اجراء مالیاتی پالیسی میں اس وسیع تر رجحان کی عکاسی کرتا ہے جس کا رخ فنڈنگ کے متنوع ذرائع استعمال کرنے اور صرف روایتی راستوں پر اکتفا نہ کرنے کی طرف ہے، اور جس کا مقصد ایک طرف فنڈنگ کی ضرورت اور دوسری طرف قرضوں اور خطرات کے بہتر انتظام کے درمیان توازن پیدا کرنا ہے، جس کے ساتھ ساتھ فنڈنگ کے ایسے ذرائع کی مسلسل تلاش جاری ہے جو جمع شدہ بوجھ کے باوجود ریاست کو نقل و حرکت کے لیے اضافی گنجائش فراہم کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

ولایہ مصر میں حزب التحریر کے میڈیا آفس کے رکن

عراقی وزیر اعظم علی الزیدی کا دورہ واشنگٹن اور فرضی خود مختاری!

تحریر: استاد احمد الطائی–ولایہ عراق

(ترجمہ)

سنہ 2003ء میں امریکہ نے تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کے ذخائر کی موجودگی کا بہانہ بنا کر عراق پر حملہ کیا اور اس پر قبضہ کر لیا، حالانکہ بعد میں ایسے کوئی ہتھیار نہیں ملے تھے۔ پھر امریکہ اور برطانیہ کی قیادت میں "عبوری اتحادی اتھارٹی" نے عراق کا انتظام سنبھالا، یہاں تک کہ جون 2004ء میں ایک عراقی عبوری حکومت کو نام نہاد یا فرضی خود مختاری منتقل کر دی گئی۔ اس حکومت نے نیا نظام تشکیل دیا اور دستور وضع کیا، اور تب سے عراق ایک تاریک سرنگ میں داخل ہو چکا ہے۔ اس عرصے میں عراق نے شدید سیاسی و سیکورٹی عدم استحکام اور اس فرقہ وارانہ فتنے کا مشاہدہ کیا جس نے ہر خشک و تر کو جلا کر راکھ کر دیا، جبکہ امریکی موجودگی کا راگ ان مفاد پرست سیاست دانوں اور سیاسی قوتوں کے لیے ایک سستا سودا بنا رہا جس کی وہ تجارت کرتے رہے۔

آج کے دن تک امت کو دھوکہ دینے اور اسے لوریاں دے کر سلانے کا سلسلہ جاری ہے، جہاں ذلت آمیز کاموں اور فیصلوں کو ملک کے مفاد اور اسے اس تاریک سرنگ سے نکالنے کے لیے "خود مختارانہ اقدامات" کے طور پر پیش کیا جاتا ہے! اسی سلسلے کی ایک کڑی عراقی وزیر اعظم علی فالح الزیدی کا دورہ واشنگٹن ہے؛ یہ ایک ایسا دورہ تھا جس کا فیصلہ خود عراق نے نہیں کیا تھا بلکہ یہ امریکی صدر ٹرمپ کی دعوت پر اسٹریٹجک معاہدوں کی غرض سے کیا گیا تھا۔

ان معاہدوں کی شرائط، استقبال کے طریقے اور شرمناک و اشتعال انگیز سوالات پر غور کرنے والا شخص بخوبی ادراک کر سکتا ہے کہ یہ ملاقات دو برابر کے فریقوں یا ایک خود مختار حکمران کی اپنے ہم منصب سے ملاقات نہیں تھی، بلکہ یہ ایک ماتحت کی اپنے آقا سے ذلت آمیز ملاقات تھی، جہاں ایک غلام اپنے آقا کے مفادات کے تحفظ کے لیے احکامات اور ڈکٹیشن کا منتظر ہوتا ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو؟ الزیدی اس عہدے کے لیے اپنی نامزدگی میں ٹرمپ کی بھرپور حمایت حاصل کرنے کے بعد یہاں پہنچے ہیں۔ ٹرمپ نے وائٹ ہاؤس میں صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے واضح کہا تھا کہ "وہ عراقی حکومت کی سربراہی کے لیے الزیدی کی جیت میں دلچسپی رکھتے تھے"، انہوں نے یہ وضاحت بھی کی کہ الزیدی کے مد مقابل نے ایسے موقف اپنائے ہوئے تھے جنہیں انہوں نے واشنگٹن کے لیے "برے" قرار دیا۔ الزیدی نے بھی اپنا عہدہ سنبھالتے ہی اپنی ساکھ بہتر بنانے کے لیے علانیہ طور پر کرپشن کے خاتمے کے عزم کا اظہار کیا، اور ان کی حکومت نے چھاپہ مار کارروائیاں کر کے کرپشن کے الزامات میں درجنوں موجودہ و سابقہ ارکان پارلیمنٹ اور سرکاری حکام کو گرفتار کیا اور بھاری رقوم ضبط کیں، جس کے ذریعے وہ وسیع عوامی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب رہے۔

پس یہ دورہ ایک ایسے وقت میں ہوا ہے جب خطہ ایک ہنگامہ خیز صورتحال اور طاقت کے توازن کی از سرِ نو تشکیل کے مرحلے سے گزر رہا ہے۔ امریکہ کو عراق کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہے اور وہ جانتا ہے کہ عراق کا استحکام اور اس کا امریکی تسلط سے باہر نہ نکلنا واشنگٹن کے لیے ایک زندگی اور موت کا مسئلہ ہے، اور اس معاملے میں کسی بھی قسم کی غفلت یا کوتاہی ایسے اضطراب کا باعث بن سکتی ہے جس کے اثرات پورے خطے پر پڑ سکتے ہیں۔

اس دورے میں تین اہم اور خود مختارانہ سمجھے جانے والے راستوں پر بات کی گئی ہے، یعنی: اسلحہ، سیکورٹی اور معیشت۔

جہاں تک اسلحہ کا تعلق ہے، تو امریکہ نے عراق کے ساتھ مستقبل کے تعاون کو ایران نواز مسلح گروہوں کو غیر مسلح کرنے کے معاملے میں ٹھوس نتائج حاصل کرنے سے مشروط کر دیا ہے۔ امریکہ ان مسلح گروہوں کو عراق کا اندرونی

مسئلہ نہیں سمجھتا بلکہ انہیں ایران کے زیرِ انتظام ایک علاقائی نیٹ ورک کا حصہ قرار دیتا ہے، اور ایران پر حالیہ امریکی حملے کے بعد وہ انہیں اپنے اور اپنے اتحادیوں کے مفادات کے لیے خطرہ سمجھتا ہے۔

الزیدی نے امریکہ کے دورے سے قبل واشنگٹن پوسٹ میں شائع ہونے والے ایک مضمون میں لکھا تھا کہ ان کی حکومت "قوت کے جائز استعمال پر ریاست کی اجارہ داری کو یقینی بنانے کے لیے پر عزم ہے"، انہوں نے اس بات پر بھی زور دیا کہ عراق نے "علاقائی محوروں اور تنازعات میں شامل ہونے کے بجائے ترقی کا راستہ منتخب کیا ہے"۔ "الحرہ" چینل سے خصوصی گفتگو کرتے ہوئے عراق کی مسلح افواج کے کمانڈر انچیف کے ترجمان صباح النعمان نے کہا کہ بغداد نے واشنگٹن کو مطلع کر دیا ہے کہ وہ ستمبر کے آخر میں بین الاقوامی اتحاد کا مشن ختم ہونے کے ساتھ ہی اسلحہ صرف ریاست کے قبضے میں رکھنے کے فیصلے پر عمل درآمد جاری رکھے ہوئے ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ حکومت اس فیصلے کو "عراق کا خود مختارانہ فیصلہ سمجھتی ہے، جو آئینی قانونی حیثیت اور عوامی قبولیت پر مبنی ہے"۔ ان کے بقول بغداد کا نقطہ نظر یہ ہے کہ بین الاقوامی اتحاد کا مشن ختم ہونے سے وہ تمام جواز بھی ختم ہو جائیں گے جنہیں بعض گروہ اپنے پاس اسلحہ رکھنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

مگر یہاں یہ بات نوٹ کرنا ضروری ہے کہ یہ معاملہ کوئی آسان کام نہیں ہے اور نہ ہی اسے کرپشن کے معاملے کی طرح آسانی اور ہمواری سے حل کیا جا سکتا ہے، بلکہ یہ ایک انتہائی پیچیدہ اور الجھا ہوا معاملہ ہے جس کا فیصلہ عراق کے بجائے ایک دوسرے ملک یعنی ایران سے وابستہ ہے۔ یہ معاملہ مسلح گروہوں اور ریاست کے درمیان مسلح تصادم، بلکہ خانہ جنگی تک کا باعث بن سکتا ہے، اسی لیے اس فائل کے ساتھ انتہائی احتیاط سے نمٹا جائے گا، ورنہ اس کے نتائج سنگین ہو سکتے ہیں۔

جہاں تک دیگر دو راستوں یعنی سیکورٹی اور معیشت کا تعلق ہے، تو یہ زیادہ خطرناک ہیں کیونکہ یہ ملک کی حقیقی خود مختاری کی نمائندگی کرتے ہیں۔ یہ دونوں راستے عراق پر امریکی قبضے کو مستحکم کرتے ہیں اور تیل و سرمایہ کاری پر مکمل تسلط کے ذریعے اسے قانونی حیثیت دیتے ہیں۔ اسی لیے اقتصادی معاہدوں کا مجموعہ، تیل کے منصوبے اور نئی پائپ لائنیں ایک وسیع تر امریکی وژن کا حصہ ہیں جس کا مقصد آبنائے ہرمز پر عراق کے انحصار کو کم کرنا اور اس کی معیشت کو برآمدات کے نئے نیٹ ورکس سے جوڑنا ہے، خاص طور پر اس حقیقت کے پیشِ نظر کہ عراق کے تیل کی آمدنی نیویارک کے

فیڈرل ریزرو بینک کے ایک اکاؤنٹ میں جمع کی جائے گی، جو واشنگٹن کو ملک کی معیشت پر مالی اثر ورسوخ اور کنٹرول فراہم کرتا ہے۔

اسی لیے ہم کہتے ہیں: نہ تو ہماری حالت کی کوئی اصلاح ممکن ہے اور نہ ہی ایسی ریاست میں ہماری کوئی عزت ہے جو اپنی خود مختاری کھو چکی ہو، جو اپنے غاصب سے احکامات اور ڈکٹیشن لیتی ہو، اور جو الفاظ اور ناموں کے ہیر پھیر سے کام لیتی ہو؛ ایک طرف تو امریکی فوجی دستوں کے انخلاء کا اعلان کیا جاتا ہے، جبکہ دوسری طرف ایک اسٹریٹجک سیکورٹی اور معاشی معاہدے پر دستخط کیے جاتے ہیں، اور تربیت، اسلحہ سازی اور فوجی مشاورت کے شعبوں میں تعاون جاری رکھنے کا عہد کیا جاتا ہے، جبکہ دونوں ممالک کے درمیان سیکورٹی تعلقات برقرار رکھنے کی بات کی جاتی ہے! بھلا ایک مقبوضہ ملک اور اس کے غاصب کے درمیان سیکورٹی تعلق کیسا؟! اور یہ کیسی خود مختاری ہے جب ہر کوئی جانتا ہے کہ عراق کی دولت اور اس کی معیشت امریکی فیڈرل ریزرو کے پاس گروی پڑی ہے؟!

خلاصہ یہ ہے کہ اس دورے کے اثرات الزیدی کی واپسی پر واضح ہوں گے، اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ کیا وہ انہیں حقیقت میں نافذ کر پائیں گے، یا یہ عمل کسی کٹھن مرحلے سے گزرے گا، خاص طور پر جبکہ الزیدی کی واپسی سے قبل ہی شکوک و شبہات پر مبنی بیانات سامنے آنا شروع ہو گئے ہیں؟ سابق عراقی وزیر اعظم محمد شیاع السودانی کی قیادت میں "ائتلافِ تعمیر و ترقی" نے جمعہ 17 جولائی 2026ء کو اس بات کی تصدیق کی ہے کہ موجودہ وزیر اعظم علی الزیدی امریکہ کے ساتھ جو بھی معاہدے کریں گے، انہیں منظوری یا مسترد کرنے کے لیے کوآرڈینیشن فریم ورک، سٹیٹ مینجمنٹ الائنس اور پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

پس معاملہ انتہائی سنگین ہے، اور جب ہم ہارون الرشید کے دارالخلافہ کو اس ذلت و رسوائی میں اپنے دشمن سے حل کی بھیک مانگتے ہوئے دیکھتے ہیں تو دل درد سے پھٹ جاتا ہے، لہٰذا اہل عراق کے لیے یہی وقت ہے کہ وہ اپنی تقدیر کا فیصلہ خود کریں، اور اپنی اسلامی شناخت کی طرف لوٹتے ہوئے اللہ کا حکم نافذ کریں، اور اپنے ملک کو ہر قسم کے کافرانہ تسلط سے آزاد کرائیں، تاکہ بغداد اپنی سابقہ عزت اور عظمتِ رفتہ کو دوبارہ حاصل کر سکے۔

خلیج تعاون کونسل امریکی ترازو میں تولتی ہے

یہ سب سے زیادہ عجیب اور حیرت انگیز باتوں میں سے ہے کہ بے راہ روی (غیر فطری صورتحال) ایک نارمل چیز بن جائے، اور غلط کو صحیح سمجھا جانے لگے، جیسے کہ مسلمانوں کے علاقے چھوٹی چھوٹی کمزور اکائیوں میں تقسیم ہو جائیں اور یہ غیر فطری صورتحال ہی اصل اور نارمل بن جائے اور بہت سے لوگ اسے درست سمجھیں، اور کفار کے ممالک کے بنائے ہوئے بین الاقوامی ادارے اور تنظیمیں جیسے خلیج تعاون کونسل، عرب لیگ اور اسلامی تعاون تنظیم؛ ایک ہی خلیفہ کی سربراہی میں ایک ریاست کے تحت مسلمانوں کے اتحاد کا متبادل بن جائیں!

یہ بات حزب التحریر کے مرکزی میڈیا آفس سے جاری کردہ ایک پریس بیان میں کہی گئی، جس میں مزید کہا گیا کہ: خلیج تعاون کونسل اردن، بحرین اور کویت پر ایران کے حملوں کو تو دیکھتی ہے، لیکن اسے امریکہ کے وہ طیارے اور میزائل نظر نہیں آتے جو اس کی فوج ان ممالک سے ایران پر حملے اور جارحیت کے لیے استعمال کرتی ہے، وہ ایران کی تو مذمت کرتی ہے مگر امریکہ پر خاموش رہتی ہے، آخر خلیج تعاون کونسل کن آنکھوں سے واقعات کو دیکھتی ہے اور یہ کس ترازو میں تولتی ہے؟!

پریس بیان میں امتِ مسلمہ کی حالتِ زار بیان کرتے ہوئے مزید کہا گیا: "مسلمانوں کی یہ موجودہ حالت نہ تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو پسند ہے، نہ اس کے رسول ﷺ کو اور نہ ہی اہل ایمان کو۔ یہ وہ صورتحال ہے جو استعماری کافر ریاستوں نے مسلمانوں پر مسلط کی ہے، اور پھر ان 'رویبضہ' (نااہل) حکمرانوں نے اسے برقرار رکھنے کی کوشش کی، جبکہ ان کے تنخواہ دار کارندے اور میڈیا ذرائع اسے مسلمانوں کے ذہنوں میں راسخ کرنے میں لگے ہوئے ہیں تاکہ یہی غیر فطری صورتحال ایک نارمل اور اصل حقیقت بن کر رہ جائے۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ بہت سے مسلمانوں کے ذہنوں سے اپنی اصل حقیقت کا وہ صحیح تصور ہی اوجھل ہو گیا ہے کہ وہ دنیا کی دیگر اقوام کے مقابلے میں ایک واحد امت ہیں؛ جن کی جنگ ایک ہے، جن کی صلح ایک ہے، اور جن پر ایک ہی خلیفہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کے مطابق حکمرانی کرتا ہے۔"

خلیج تعاون کونسل کو جو کردار ادا کرنا چاہیے تھا، اس کے حوالے سے بیان میں کہا گیا: "خلیج تعاون کونسل کے لیے زیادہ بہتر تو یہ تھا کہ وہ معاملات کو اسلام کے نقطہ نظر سے دیکھتی، اور امریکہ اور دیگر استعماری ریاستوں کو اسلام اور مسلمانوں کا دشمن قرار دیتی اور 'ریاستِ یہود' کو مسلم ممالک کے سینے میں دشمن کا ہراول دستہ سمجھتی۔"

"نیز اس کے لیے موزوں تو یہ تھا کہ وہ مسلم ممالک میں ان 'رویبضہ' حکمرانوں کے وجود کی مذمت کرتی اور مغرب کی ان کٹھ پتلی اور تابع چھوٹی ریاستوں کے وجود پر نکیر کرتی۔ اسے چاہیے تھا کہ وہ خود ان ممالک کے حکمرانوں سے جن کی وہ نمائندگی کرتی ہے، نیز ایران اور باقی تمام مسلم ممالک کے حکمرانوں سے خطاب کر کے ان سے مطالبہ کرتی کہ وہ اقتدار سے دستبردار ہو جائیں اور حکومت حزب التحریر کے سپرد کر دیں اور اس کے امیر کی بطور خلیفہ المسلمین بیعت کریں، تاکہ وہ ان کے ممالک اور افواج کو متحد کر دے، مسلم ممالک سے امریکہ اور دیگر استعماری کافر طاقتوں کے وجود کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے، ان پر اسلام کے نظام کو نافذ کرے، اور پھر وہ سب مل کر اسلام کو پوری انسانیت کے لیے ہدایت، نور اور عدل کے پیغام کے طور پر لے کر اٹھیں۔"

بیان کے آخر میں کہا گیا: "کوئی یہ نہ کہے کہ آپ ناممکن کا مطالبہ کر رہے ہیں، اور نہ ہی اس مطالبے پر کوئی حیرانی کا اظہار کرے؛ کیونکہ اصل حیرت انگیز اور عجیب بات تو امتِ مسلمہ کی یہ غیر فطری صورتحال ہے۔ یہ بات عجیب اور غریب ہے کہ یہ امت مختلف قوموں اور گروہوں میں تقسیم ہو جائے جو آپس میں دست و گریبان اور شاید برسرِ پیکار ہوں، حالانکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ "بلاشبہ مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں" (سورۃ الحجرات: آیت 10)

مسلمان صدیوں تک ایک ہی خلیفہ کے جھنڈے تلے ایک ہی امت بن کر رہے، اور یہی ان کی فطری حالت تھی، اور اس وقت وہ ٹکڑے ٹکڑے ہونے اور بکھر جانے کو ناممکن سمجھتے تھے۔ تو اب ہمیں دوبارہ اسی طرح ایک امت بننے سے کون سی چیز روکتی ہے؟ بلکہ یہی اصل ہے کیونکہ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا وعدہ ہے اور اس کے رسول ﷺ کی خوشخبری ہے کہ اس 'جبر کی حکومت' کے بعد، جس میں ہم جی رہے ہیں، 'پھر نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت ہوگی'۔ مزید برآں، اس مقصد کے لیے حزب التحریر جیسا مخلص اور سچا رہنما موجود ہے، جو خلافت کا منصوبہ رکھتا ہے؛ تو وہ وقت کتنا قریب ہے کہ جسے کچھ لوگ ناممکن سمجھ رہے ہیں، وہ ایک حقیقت بن جائے!"

یہودی جرائم کا وزیر غزہ کی تباہی پر فخر کر رہا ہے، اسے خاموش کون کروائے گا؟

یہودی وجود کے وزیرِ جنگ یسرائیل کاٹز نے شمالی غزہ کے دورے کے دوران وہاں ہونے والی تباہی پر فخر کا اظہار کیا اور اسے ایک سوچ سمجھ کر بنائی گئی پالیسی کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ یہ مناظر دیکھ کر اسے دلی خوشی محسوس ہوتی ہے۔ عبرانی چینل 14 پر نشر ہونے والے ایک انٹرویو میں، جو اسی دورے کے دوران لیا گیا، اس نے کہا کہ وہ غزہ میں فوجی نوعیت کی تین نئی بستیاں آباد کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ غزہ میں تباہی کے مناظر کے بارے میں اپنے احساسات کے حوالے سے پوچھے گئے ایک سوال پر کاٹز نے بلا جھجک جواب دیا: "یہ ایک اچھا احساس ہے، کیا ایسا نہیں ہے؟" اس نے دعویٰ کیا کہ یہ سب کچھ "خطرات کو ختم کرنے کے مقصد سے بنائی گئی ایک منظم پالیسی کا نتیجہ ہے"۔ اس نے مزید کہا کہ "چھاپہ مار طرزِ عمل کے بجائے اب یہودی اندر ہیں، تخریب کار باہر ہیں اور گھر تباہ ہو چکے ہیں"۔ (الجزیرہ نیٹ، تصرف کے ساتھ)

الرایہ: یہودیوں کی زبانوں سے ظاہر ہونے والا یہ سیاہ کینہ اور نفرت اپنے پیچھے اس سے بھی بڑے شر کو چھپائے ہوئے ہے، جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۔وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ﴾ "ان کے منہ سے تو دشمنی ظاہر ہو ہی چکی ہے اور جو (کینہ) ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔" (سورۃ آل عمران: آیت 118)

اس نفرت کے سامنے بڑے بڑے سوالات اٹھتے ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں: مسلم ممالک کی افواج میں موجود وہ لوگ کہاں ہیں جن کے کندھوں پر تلواریں، تاج اور ستارے چمکتے ہیں؟! ان افواج کے قائدین، افسران اور سپاہی کہاں ہیں؟! بندروں اور خنزیروں کے بھائی، انبیاء کے قاتلوں کی اولاد، اہلِ غزہ کے قتل اور ان کی عمارتوں کی تباہی کے مناظر سے لطف اندوز ہو رہے ہیں، اور انہیں اپنی اس ہٹ دھرمی اور تکبر کو لگام دینے والا کوئی نظر نہیں آ رہا جو ان کی غاصب ریاست کا خاتمہ کر سکے؛ اسی لیے وہ اپنے جرائم میں حد سے گزر رہے ہیں اور علی الاعلان اس پر فخر کر رہے ہیں، جبکہ مسلمانوں کے سینوں کو ٹھنڈک پہنچانے والا کوئی جواب سامنے نہیں آ رہا! ہم عام مسلمانوں کو یاد دلاتے ہیں اور خاص طور پر ان کی افواج سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق مطالبہ کرتے ہیں: ﴿وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ﴾ "اور ان کو جہاں پاؤ قتل کرو اور جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے وہاں سے تم بھی ان کو نکال دو۔" (سورۃ البقرۃ: آیت 191)

ازبکستان کے صدر کا دورۂ جارجیا: یورپ تک رسائی کا راستہ یا ایک نئی غلامی؟

تحریر: استاد اسلام ابو خلیل–ازبکستان

(ترجمہ)

میر زیایوف نے جارجیا کا دورہ کیا، جسے بہت سے لوگوں نے ایک عام سفارتی واقعہ قرار دیا، لیکن حقیقت میں، یہ دورہ ان اہم اشاروں میں سے ایک ہو سکتا ہے جو اگلی دہائی کے دوران ازبکستان کے جیو پولیٹیکل (جغرافیائی سیاسی) رخ کی نشاندہی کریں گے۔ اور اگر ہم اس دورے کو محض دو ممالک کے درمیان دوطرفہ تعلقات کے طور پر دیکھیں تو ہم اس کے اہم ترین پہلو کو نظر انداز کر دیں گے۔ کیونکہ اس دورے کا بنیادی موضوع خود جارجیا نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق اس جیو پولیٹیکل راستے سے ہے جسے ازبکستان اکیسویں صدی کی دوسری چوتھائی میں منتخب کرے گا۔

گزشتہ تیس سالوں کے دوران، وسطی ایشیا کی غیر ملکی تجارت کے ٹرانزٹ (مال برداری) کا انحصار بنیادی طور پر روس پر رہا ہے۔ اس کے بعد، چین نے سرمایہ کاری، قرضوں اور انفراسٹرکچر کے ذریعے خطے میں بھرپور طریقے سے داخل ہونا شروع کیا۔ اب، بحیرہ کیسپین کے ذریعے آذربائیجان، جارجیا اور ترکی تک پھیلی ہوئی راہداری کو بہت زیادہ اہمیت دی جا رہی ہے۔ اس تبدیلی کو محض نقل و حمل کا مسئلہ سمجھنا غلط ہوگا؛ کیونکہ نقل و حمل کا راستہ ہمیشہ سیاسی اثر و رسوخ کا راستہ ہوتا ہے اور یہ بڑے جیو پولیٹیکل حساب کتاب کا حصہ ہوتا ہے۔

اس لیے آج کا بنیادی سوال یہ ہے کہ: کیا ازبکستان حقیقی آزادی حاصل کرنے کے لیے روس پر مبنی ٹرانزٹ سسٹم سے باہر نکلنے کی کوشش کر رہا ہے، یا وہ دیگر جیو پولیٹیکل مراکز کے ساتھ ایک نئی وابستگی (غلامی) پیدا کر رہا ہے؟

اس سوال کا جواب ماسکو سے شروع ہونا چاہیے۔ روس کے لیے وسطی ایشیا محض ایک عام پڑوسی علاقہ نہیں ہے، بلکہ یہ اس کی سلامتی، معیشت اور جیو پولیٹیکل اثر و رسوخ کا ایک حیاتیاتی حصہ ہے۔ اگر ازبکستان روسی علاقوں کو بائی پاس کرنے والی راہداریوں کے ذریعے یورپ کے ساتھ اپنے روابط مضبوط کرتا ہے، تو یہ ماسکو کے لیے اسٹریٹیجک اہمیت کی حامل ایک تبدیلی ہوگی۔ ماسکو کے لیے اصل خطرہ ریلوے لائن بذاتِ خود نہیں ہے، بلکہ اصل خطرہ وسطی ایشیا کے سامنے

متبادل اختیارات کے ظہور میں پوشیدہ ہے۔ لہٰذا، روس کا ممکنہ مشن ہر قیمت پر اس راہداری کو بند کرنا نہیں ہو گا، بلکہ خطے میں اپنے معاشی اثر ورسوخ، توانائی کے ذرائع اور سیاسی غلبے کو برقرار رکھنا ہو گا۔ اور یہ عمل کسی بھی بڑی طاقت کی اپنے مفادات کے تحفظ کی کوششوں کے عین مطابق ہے۔

جہاں تک اس عمل کے بارے میں چین کے نقطہ نظر کا تعلق ہے تو وہ مختلف ہے، کیونکہ اس کے اثر ورسوخ کا بنیادی ذریعہ فوجی نہیں بلکہ معاشی ہے۔ چین سرمایہ کاری، صنعت، انفراسٹرکچر اور تجارت کے ذریعے اپنا دائرہ اثر بڑھا رہا ہے۔ یہاں تک کہ اگر نئی قفقاز راہداری فعال ہو جاتی ہے، تو غالب امکان یہی ہے کہ چین اس سے کترانے کے بجائے اس میں شرکت کی کوشش کرے گا۔ اس کے لیے سب سے اہم بات اپنی تجارتی اشیاء کی یورپی منڈیوں تک رسائی اور معاشی تعلقات کے تسلسل کو یقینی بنانا ہے۔ امریکہ اس عمل کو مختلف حسابات سے دیکھتا ہے۔ اس کے لیے وسطی ایشیا میں روس یا چین کا مطلق غلبہ ناقابل قبول ہے۔ اس لیے امریکہ کے نقطہ نظر سے ازبکستان کا اپنے بیرونی معاشی تعلقات میں تنوع لانا یقیناً ایک خاص اسٹریٹیجک اہمیت رکھتا ہے۔ حالیہ برسوں میں، ازبکستان اور امریکہ کے درمیان بڑے معاشی معاہدوں اور سرمایہ کاری کے منصوبوں پر بات چیت ہوئی ہے۔ اگرچہ ان سرگرمیوں میں دونوں فریقوں کے مساوی مفادات کی بار بار تائید کی گئی ہے، لیکن کسی بھی تعاون میں فیصلہ کن سوال بدستور وہی رہتا ہے: شرائط کون طے کرے گا اور سب سے زیادہ فائدہ کسے حاصل ہو گا؟ اس لیے کسی بھی بیرونی تعاون میں، "کس کے ساتھ؟" کے سوال سے پہلے "کن شرائط پر؟" کا سوال اٹھایا جانا چاہیے۔

ترکی اس سلسلے میں ایک قدرتی کڑی ہے کیونکہ جغرافیہ، زبان اور ثقافتی قربت اس کے کردار کو مزید تقویت دیتی ہے۔ لیکن وہ بھی اپنے قومی مفادات کے مطابق اقدامات کرتا ہے۔ لہٰذا، کسی بھی دوسرے ملک کی طرح، ترکی بھی سب سے پہلے اپنے معاشی اور سیاسی مفادات کا حساب کتاب کرتا ہے۔ لیکن میرے خیال میں، اس معاملے کا سب سے اہم سوال کچھ اور ہے۔ ازبکستان کے بارے میں ہونے والی ہر بین الاقوامی بحث میں روس، چین، امریکہ یا ترکی کے مفادات کا تذکرہ تو کیا جاتا ہے، لیکن ازبک عوام کے مفادات کو دوسرے درجے پر کیوں ڈال دیا جاتا ہے؟ اسلام میں ریاست کا کام بیرونی طاقتوں کے درمیان توازن کا کھیل کھیلنا نہیں ہے۔ ریاست ایک امانت ہے، اقتدار ایک ذمہ داری ہے، اور زیرِ زمین و سطحِ زمین کے تمام وسائل امت کا حق ہیں۔ لہٰذا، کسی بھی بیرونی معاہدے سے پہلے سب سے پہلا سوال یہ ہونا چاہیے: یہ عوامی عقیدے، سلامتی، معیشت اور آنے والی نسلوں پر کیا اثرات مرتب کرے گا؟!

اگر یورپ کا راستہ کھلتا ہے اور اس کے نتیجے میں ازبکستان کی صنعت مضبوط ہوتی ہے، جدید ٹیکنالوجی آتی ہے، پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے اور ملک خام مال کی برآمدات پر انحصار کرنے کے بجائے ایسی اشیاء تیار کرنے والا ملک بن جاتا ہے جن کی قدر و قیمت زیادہ ہو، تو یہ بات عوامی مفاد میں ہوگی۔ لیکن اگر اس نئی راہداری کا مقصد صرف سونے، تانبے، یورینیم، گیس اور دیگر اسٹریٹیجک وسائل کی لوٹ مار کو تیز کرنا اور انہیں بیرونِ ملک منتقل کرنا ہے، اور غیر ملکی سرمایہ کاری کا سیلاب تو آتا ہے مگر عوام کی معاشی حالت، تعلیم کے معیار اور ملکی پیداواری صلاحیت میں کوئی حقیقی تبدیلی نہیں آتی، تو یہ تبدیلی محض دکھاوے کی اور سطحی ہوگی، اور غلامی و وابستگی کی اصل حقیقت نہیں بدلے گی۔

چنانچہ، جارجیا کے حوالے سے میرزیایوف کے دورے کا حقیقی جائزہ بندرگاہوں یا ریلوے لائنوں سے نہیں، بلکہ ان نتائج سے لگایا جائے گا جو چند سالوں بعد سامنے آئیں گے۔ کیا ازبکستان اپنی بیرونی سمتوں میں تنوع لانے کے بعد ایک ایسا ملک بن جائے گا جو اپنے فیصلے خود کرنے میں آزاد ہو؟ یا وہ بڑی طاقتوں کے درمیان رسہ کشی کا ایک اور اہم میدان بنا رہے گا؟ فی الحال کوئی بھی اس سوال کا حتمی جواب نہیں دے سکتا۔ لیکن ایک حقیقت بالکل واضح ہے کہ ازبکستان کے مسلمان عوام کے مفادات خود بخود روس، چین، امریکہ یا یورپ کے مفادات کے ساتھ ہم آہنگ نہیں ہوتے۔ اور ازبکستان کے عوام کے بنیادی مفادات کا تحفظ صرف اسی صورت میں یقینی بنایا جاسکتا ہے جب اسلام کو ایک مکمل نظامِ حیات کے طور پر نافذ کیا جائے۔

پس یورپ کی طرف کھلنے والا ہر راستہ کامیابی کی نوید نہیں ہوتا، بلکہ اس کے برعکس بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ بعض اوقات نئے کھلنے والے دروازے کے پیچھے ایک نئی قسم کی غلامی چھپی ہوتی ہے۔ اس لیے ازبکستان کے لیے سب سے اہم کام یورپ کی طرف قدم بڑھانا نہیں ہے، بلکہ ایسی سیاسی قوتِ ارادی پیدا کرنا ہے جو اپنے عوام کے مفاد کو ہر چیز پر مقدم رکھے، خواہ وہ کسی بھی سمت میں پیش قدمی کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾ "بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے حق داروں کے سپرد کرو، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل و انصاف کے ساتھ کرو۔" (سورۃ النساء: آیت 58)

امریکہ اور یورپ کے مابین تعلقات میں بدلتی صورتحال

تحریر: استاد مصعب عمیر–ولایہ پاکستان

(ترجمہ)

6 جولائی 2026 کو، برطانوی حکومت کی جانب سے وزیر خارجہ ایویٹ کوپر کا ایک اہم مضمون "عالمی نظامِ نو میں برطانیہ کا مقام" کے عنوان سے ایک پریس ریلیز کے ذریعے جاری کیا گیا، جس میں انہوں نے کہا: "جیو پولیٹکس بدل رہی ہے۔ امریکہ عالمی سلامتی کے ضامن کے طور پر اپنے روایتی کردار سے پیچھے ہٹ رہا ہے، اور برطانیہ سمیت یورپ نے آگے بڑھنا شروع کر دیا ہے، ہمیں خود کو مزید فعال کرنا ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ ہم کوئی بڑی فوجی یا اقتصادی طاقت نہ ہوں، لیکن ہم ایک 'متحد کرنے والی قوت' بن سکتے ہیں، ایک ایسی ریاست جو دوسروں کو اکٹھا کرے اور اجتماعی طور پر آگے بڑھنے کا راستہ متعین کرے۔"

برطانوی وزیر خارجہ کا یہ مضمون وسیع تر یورپی سیاسی حلقوں میں پائے جانے والے اس ماحول کی عکاسی کرتا ہے، جو عالمی نظام کے حوالے سے امریکی حکمت عملی میں تبدیلی کے اثرات پر گہری توجہ دے رہا ہے۔ یہ کئی دہائیوں کے بعد ایک اہم تبدیلی ہے، جو یورپ کے اندر برسوں سے قائم اصولوں اور موقف کے حوالے سے سوالات کھڑے کر رہی ہے۔ یورپ اور امریکہ کے درمیان تعلقات یقیناً متعدد مراحل سے گزرے ہیں۔

امریکہ اپنی تاریخ کے آغاز میں یورپ سے دور رہا، جب اس نے براعظم امریکہ پر یورپی قبضے کے خلاف بغاوت کی اور 'مونرو ڈاکٹرائن' جیسی حکمت عملیوں کا استعمال کرتے ہوئے بعض علاقوں سے یورپی اثر و رسوخ کو ختم کیا، یا کم از کم اسے محدود کر دیا۔

پھر دوسری جنگ عظیم کے دوران امریکہ ڈرامائی انداز میں اپنی تنہائی سے باہر نکلا، کیونکہ اس نے اپنی سرزمین پر جنگ کی وجہ سے تھکے ہارے یورپ کے مقابلے میں اپنی طاقت کا ادراک کر لیا تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد، امریکہ نے 'مارشل پلان' کے ذریعے معاشی انحصار اور 'نیٹو' کے ذریعے فوجی انحصار پیدا کر کے اس موقع کا فائدہ اٹھایا۔ اس نے کثیر الجہتی اداروں کے زیرِ سایہ ایک کثیر قطبی عالمی نظام میں خود کو ایک غالب طاقت کے طور پر منوا لیا۔

سویت یونین کی جانب سے سخت چیلنج کا سامنا کرتے ہوئے، امریکہ نے افریقہ، مشرقِ وسطیٰ اور جنوبی ایشیا میں سابقہ یورپی نو آبادیات سے یورپی اثر ورسوخ کو ختم کرنے کے لیے کام کیا، اور خود کو 'آزاد دنیا' کے قائد کے طور پر پیش کیا۔ پھر اس نے روس کو بتدریج کمزور کرنے کے لیے یورپی پلیٹ فارم کا استعمال کیا، حالانکہ کینیڈی اور ان کے ہم منصب خروشیف کے دور میں واشنگٹن اور ماسکو کے درمیان تعلقات میں بہتری (Detente) کا ایک فعال دور بھی گزرا تھا۔

سویت یونین کے خاتمے کے بعد امریکہ اپنے تسلط کی انتہا کو پہنچ گیا، اور اس نے غیر معمولی طریقے سے یورپ کی قیادت شروع کر دی، اور اسے اپنے منصوبوں بشمول مسلم ممالک میں اپنی مہمات میں استعمال کیا۔ اسی دوران، اس نے جارحانہ انداز میں یورپی اثر ورسوخ کو بے دخل کرنے کا عمل تیز کر دیا اور پاکستان اور مصر جیسے اہم اسلامی ممالک سے ان کا سیاسی اثر ختم کر دیا۔

لیکن امریکہ نے امتِ مسلمہ کے خلاف اپنی جنگوں میں ضرورت سے زیادہ وسعت پیدا کر لی، اور اسے شدید مزاحمت کی وجہ سے نقصان اٹھانا پڑا۔ اس کے علاوہ، سرمایہ دارانہ اشرافیہ کی ہوس کے نتیجے میں امریکی ریاست کے اندر معاشی تنزلی کے آثار ظاہر ہونے لگے، جو کہ ریپبلکن اور ڈیموکریٹس کے درمیان تنازع کے نتیجے میں 'ڈیپ اسٹیٹ' (Deep State) کی اندرونی تقسیم کی وجہ سے ایک گہرے بحران کی صورت اختیار کر گئے۔

امریکہ نے اپنی کمزوری کو بھانپ لیا، کیونکہ اس کے مفکرین نے اس کے زوال کے بارے میں خبر دار کرنا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی صلاحیتوں میں کمی کے باوجود کثیر القطبی عالمی نظام میں اپنی بالادستی برقرار رکھنے کی کوشش کی، جس کے لیے اس نے بڑی حریف طاقتوں کے درمیان اور ان کے گرد و نواح میں تنازعات کو ہوا دی۔ ان طریقوں میں سب سے نمایاں 'روسی ریچھ' کو مشتعل کرنا اور یوکرین اور روس کے درمیان جنگ چھیڑنا تھا، جس نے ناگزیر طور پر یورپ کو نقصان پہنچایا۔ یورپی سیاسی فکر کی کمزوری اس حقیقت سے ظاہر ہوتی ہے کہ وہ یوکرین پر دباؤ ڈال کر اس تنازع کو جلد ختم کرنے میں ناکام رہی، بلکہ اس نے یوکرین کا ساتھ دے کر ایک فاش غلطی کی، جس سے اس کے اپنے ہی خطے میں ایک تباہ کن جنگ طویل ہو گئی۔ بائیڈن کے دور میں بھی حریفوں کو کمزور کرنے کے لیے تنازعات کو بھڑکانے کا سلسلہ جاری رہا۔

ٹرمپ کے آنے کے ساتھ ہی عالمی نظام کو 'یک قطبی' (Unipolarity) کی طرف دوبارہ ڈھالنے کی کوششیں سامنے آئیں۔ حریفوں کو کمزور کرنے کے لیے تنازعات کو ہوا دینے کا سلسلہ جاری رہا، جبکہ 66 کثیر الجہتی اداروں سے امریکہ کی

اچانک علیحدگی کے نتائج کا بوجھ بھی انہی حریفوں پر ڈال دیا گیا۔ اب امریکہ دنیا کی قیادت اس طرح کرنا چاہتا ہے کہ اس کے اخراجات دوسرے اٹھائیں۔ وہ اس بات کو قبول کرتا ہے کہ علاقائی اتحاد اور ادارے مضبوط ہوں گے اور نئے ادارے بھی ابھریں گے، لیکن اسے اپنی طاقت پر اتنا بھروسہ ہے کہ ان اداروں کی محدود صلاحیتوں کی وجہ سے وہ اپنا عالمی نظام مسلط کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

یورپ اب خود کو تنہا محسوس کر رہا ہے اور اپنے قدم جمانے کے لیے جدوجہد کر رہا ہے، خاص طور پر فوجی اور سیکیورٹی کے شعبوں میں۔ روس-یوکرین جنگ کے اثرات اور کووڈ-19 کی عالمی وبا کے نتائج سے نڈھال ہونے کے بعد، یورپ غیر مستحکم نظر آتا ہے۔ امریکہ پر کئی دہائیوں کے انحصار کی وجہ سے اس کی سیاسی سوچ بھی کمزور پڑ چکی ہے۔ یورپی طاقتوں میں سے برطانیہ، امریکہ پر اپنے غلط انحصار سے بیدار ہونے کی کوشش کر رہا ہے، اور اپنی تاریخی چال بازیوں کے تجربے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے یورپ کو ایک ایسی نئی راہ پر لے جانے کی کوشش کر رہا ہے جو امریکہ کے مفادات سے میل کھا بھی سکتی ہے اور نہیں بھی۔ لیکن برطانیہ اب وہ طاقت نہیں رہا جو کبھی ہوا کرتا تھا، اور اس کی وزیر خارجہ کا بیان اسی آگاہی کی عکاسی کرتا ہے۔ اس کے علاوہ، یورپ گہرے تاریخی تنازعات کا شکار ہے جو اس کے مکمل اتحاد کے حصول کو مشکل بنا دیتے ہیں۔

مجموعی طور پر، اللہ سبحانہ وتعالیٰ دنیا کے توازن کو بدل رہا ہے، جس میں دوسری جنگ عظیم کے بعد سے عالمی سیاست (جیو پولیٹکس) کا ایک اہم ترین پہلو، یعنی امریکہ اور یورپ کے درمیان مضبوط تعلقات کی بنیادیں بھی شامل ہیں۔ اس تبدیلی کے مسلمانوں کی موجودہ نسل پر گہرے اثرات مرتب ہوں گے۔ جہاں تک امریکہ کا تعلق ہے، تو امت کو اس کے مفادات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے، اس کی سازشوں کو بے نقاب کرنا چاہیے اور اس کے اثر و رسوخ کو ختم کرنا چاہیے۔ رہی بات عمومی طور پر یورپ اور بالخصوص برطانیہ کی، تو امت کو ان کے لیے اپنے دروازے بند رکھنے چاہئیں اور ان کے وعدوں کے دھوکے میں ہرگز نہیں آنا چاہیے۔ یورپ نقصان پہنچانے میں امریکہ سے کسی طور کم نہیں ہے اور نہ ہی وہ دینِ اسلام کی دشمنی میں اس سے پیچھے ہے۔ اس لیے، علماء اور دعوت کے علمبرداروں کو چاہیے کہ وہ مسلم ممالک میں یورپیوں اور امریکیوں کے دوروں کے حوالے سے انتہائی بیدار رہیں اور ان کے اصل منصوبوں کو بے نقاب کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ امت کے باشعور فرزندوں کو چاہیے کہ وہ یورپ اور امریکہ کے باہمی تعلقات کی کمزوری سے پیدا ہونے والے مواقع سے بھرپور فائدہ اٹھائیں تاکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شریعت کی رہنمائی میں ایک نئی عظیم طاقت تشکیل دی جا سکے۔

جنوبی سوڈان کا 'ابیئ' کو شامل کرنا اور سوڈانی حکومت کا بودا موقف

حزب التحریر ولایہ سوڈان کے آفیشل ترجمان استاد ابراہیم عثمان (ابو خلیل) نے ایک پریس بیان میں کہا ہے کہ: جنوبی سوڈان کے قومی الیکشن کمیشن نے متنازعہ علاقے 'ابیئ' کو ریاستِ 'واراب' کے ان 12 انتخابی حلقوں میں شامل کر لیا ہے جہاں 22 دسمبر 2026 کو عام انتخابات منعقد ہونا طے پائے ہیں۔ اس کے جواب میں سوڈان کی وزارتِ خارجہ نے اعلان کیا کہ سوڈان اپنے ان قانونی حقوق پر قائم ہے جو دستخط شدہ پروٹوکولز اور معاہدوں میں درج ہیں، ساتھ ہی انہوں نے پڑوسیوں کے ساتھ اچھے تعلقات برقرار رکھنے کے عزم کا اعادہ بھی کیا۔ انہوں نے اقوامِ متحدہ، بین الاقوامی و علاقائی تنظیموں اور دوست و برادر ممالک، جو ابیئ کے حوالے سے معاہدوں کے ضامن ہیں، سے مطالبہ کیا کہ وہ طے شدہ معاہدوں پر عمل درآمد کے لیے کام کریں اور قانونی ڈھانچے سے باہر کسی بھی یکطرفہ اقدام کو مسترد کر دیں۔

استاد ابو خلیل نے حکومتِ سوڈان کے اس موقف پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: سوڈان کی اس حکومت سے یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے، جو کہ پچھلی اسی حکومت کا تسلسل ہے جس نے جنوبی سوڈان کو (ملک سے) الگ کیا تھا۔ اس حکومت سے ایسے ہی شرمناک اور ذلت آمیز موقف کی توقع تھی، جو کسی خودمختار ریاست کے شایانِ شان نہیں جیسا کہ وہ دعویٰ کرتے ہیں! یہ کمزور موقف جنوبی سوڈان کو ابیئ کو اپنے ساتھ ضم کرنے کے منصوبے پر آگے بڑھنے سے نہیں روک سکے گا۔ استاد ابو خلیل نے اپنے بیان کا اختتام ان الفاظ پر کیا: عنقریب اللہ کے حکم سے لوٹنے والی ریاستِ خلافت، جنوب کو دوبارہ اصل سوڈان کی گود میں لوٹائے گی، بلکہ سوڈان کو باقی تمام مسلم ممالک کے ساتھ متحد کر دے گی، تاکہ ریاستِ خلافت دنیا کی پہلی بڑی ریاست بن کر ابھرے جو (پوری دنیا کے لیے) نور اور خیر کا پیغام لے کر اٹھے اور لوگوں کو سرمایہ داری و دیگر نظاموں کی تاریکیوں سے نکال کر اسلام کے عدل اور اس کی رحمت کی طرف لے آئے۔

سوڈانی سیاست میں سیکولرزم کی جڑیں

تحریر: ڈاکٹر احمد عبد الفضیل–ولایہ سوڈان

(ترجمہ)

سیکولرزم کا مطلب ہے دین کو زندگی سے جدا کرنا۔ یہ سرمایہ دارانہ نظریے کا وہ عقیدہ ہے جو یورپ میں نشاۃِ ثانیہ (Renaissance) کے دور میں چرچ اور مفکرین و فلاسفہ کے درمیان ایک درمیانی حل (compromise) کے نتیجے میں وجود میں آیا۔ اس کی بنیاد عقل پر نہیں ہے اور نہ ہی یہ اللہ کی اس فطرت سے مطابقت رکھتا ہے جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ انسان کے اندر مذہبی لگاؤ فطری اور جبلّی ہے جسے کوئی بھی طاقت اس سے چھین نہیں سکتی۔ عقل اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ وہ خالق جس نے انسان کو پیدا کیا، اسے درست کیا اور متوازن بنایا، وہ اسے زندگی گزارنے کے لیے کسی نظام کے بغیر نہیں چھوڑ سکتا کہ وہ زمین پر اتر کر بھٹکتا پھرے، گمراہ ہو جائے اور بدبختی کا شکار ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعاً فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ "ہم نے حکم دیا

کہ تم سب یہاں سے اتر جاؤ، پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس کوئی ہدایت پہنچے تو جو میری ہدایت کی پیروی کریں گے ان کے لیے نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔"(سورۃ البقرۃ: آیت 38)

اگر ہم سوڈانی سیاست میں سیکولرزم کی جڑوں کا سراغ لگائیں تو یہ ہمیں برطانوی استعماری دور میں پیوست ملتی ہیں جس نے فکری، سیاسی اور ثقافتی گمراہی کے ذریعے اسے یہاں متعارف کرایا۔ چونکہ سوڈان کے لوگ مسلمان ہیں، اس لیے انہوں نے ان سیکولر افکار کو کبھی پسند نہیں کیا اور نہ ہی انہیں ہضم کیا جو انہیں ان کے دین سے دور کرتے تھے، چاہے وہ جذباتی سطح پر ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ سیکولرزم کو متعارف کروانے کے لیے مذہبی اور فرقہ وارانہ قیادتوں کا راستہ اپنانا ہی اسے قبول کروانے اور پھیلانے کا سب سے مناسب طریقہ تھا۔ برطانیہ نے ایسی مذہبی اور فرقہ وارانہ جماعتیں کھڑی کیں جن کا ظاہر تو دین اور دین داری تھا، لیکن ان کے باطن میں حکمرانی، سیاست اور معاشرت سے متعلق سیکولر افکار رچے بسے تھے۔ جب ان جماعتوں نے استعمار کے خاتمے اور ملک کی آزادی کا نعرہ لگایا تو وہ اسی جال میں پھنس گئیں۔ ان میں سے بعض نے "سوڈان سوڈانیوں کے لیے" کا نعرہ اپنایا، جبکہ کچھ نے مصر کے ساتھ اتحاد کی دعوت دی، جس کے نتیجے میں سوڈان کو مصر سے الگ کر دیا گیا۔ ان میں سے کسی بھی جماعت نے اسلام کو اس حیثیت میں نہیں اپنایا کہ وہ ایک ایسا دین ہے جس سے ریاست نکلتی ہے، بلکہ انہوں نے سائیکس پیکو کی حدود والی "قومی ریاست" (National State) کے تصور کو پختہ کیا، اور اس طرح وہ عملی طور پر سیکولرزم کو نافذ کرنے والی اور حکومت میں اسے لاگو کرنے والی بن گئیں۔

انگریزوں نے صرف اسی طریقے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ سیکولرزم کو پھیلانے کے لیے ایک دوسرا طریقہ بھی اختیار کیا کہ ایسی مسلح جدوجہد والی جماعتیں کھڑی کیں جنہوں نے ظلم، پسماندگی، اور خدمات و سیکیورٹی کی عدم دستیابی کا فائدہ اٹھایا۔ ان جماعتوں نے "آزادی" کا نعرہ بلند کیا، لیکن حقیقت میں وہ سیکولر تھیں بلکہ انہوں نے علیحدگی پسند افکار کو اپنایا، جیسے "حقِ خود ارادیت" کا تصور، جس کی وجہ سے جنوبی سوڈان کو شمال سے الگ کر دیا گیا اور اب دارفور بھی اسی راستے پر چل رہا ہے۔

استعماری کافر یہیں پر نہیں رکا، بلکہ اس نے تیسرا طریقہ اپنایا جو کہ خطرناک ترین طریقوں میں سے ایک ہے۔ یہ وہ جماعتیں ہیں جو اسلام سے منسوب ہیں اور اسی کی دعوت دیتی ہیں اور شریعت کے نفاذ کا مطالبہ کرتی ہیں، لیکن شعور کی کمی کی وجہ سے وہ اسلامی لبادے میں لپٹے ہوئے سیکولر افکار کی طرف پھسل گئیں۔ انہوں نے ان افکار کو اسلام ہی کا حصہ

سمجھ لیا؛ چنانچہ وہ جمہوریت کو شوریٰ، آزادی، انسانی حقوق، مارکیٹ پالیسیاں اور نجکاری جیسے افکار کے مترادف سمجھ کر بلا سوچے سمجھے ان کی دعوت دینے لگیں۔

جب یہ طریقے بے نقاب ہو گئے اور ان کے عیوب اور حقیقت امت پر واضح ہو گئی، تو اس کافر (استعمار) نے سیکولرزم پیش کرنے کے لیے چوتھے اور آخری طریقے کا سہارا لیا: یعنی بغیر کسی بناؤ سنگھار یا لگی لپٹی کے، صراحت اور پوری ڈھٹائی کے ساتھ سیکولرزم کی دعوت دینا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿**وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً**﴾ "وہ تو چاہتے ہیں کہ جس طرح وہ خود کافر ہوئے تم بھی اسی طرح کافر ہو جاؤ تاکہ تم سب برابر ہو جاؤ۔" (سورۃ النساء: آیت 89)

چنانچہ یہ وہی سوڈانی سیاسی جماعتیں اور قوتیں تھیں جنہوں نے اپنی کانفرنسوں، سیمیناروں اور فورمز میں واضح طور پر سیکولرزم کی دعوت دی۔ دیکھیئے، یہ کس طرح سوئٹزرلینڈ کے شہر نیون (Nyon) میں ہونے والی اس کانفرنس میں شرکت کے لیے اڑ کر پہنچے جو 23 جون 2026 سے 27 جون 2026 تک جاری رہی۔ یہ کانفرنس فرانسیسی تنظیم "برومیڈیئیشن" (Promediation) کی دعوت پر بین الاقوامی اور علاقائی کوششوں کے سلسلے میں منعقد کی گئی تھی، جس کا مقصد سوڈانی سیاسی اور سول قوتوں کے درمیان جنگ کے خاتمے اور سیاسی عمل کے آغاز کے لیے مذاکرات کی حمایت کرنا تھا۔ ان قوتوں میں انقلابی قوتوں کا جمہوری اتحاد (صمود)، ڈیموکریٹک بلاک، تیجانی السیسی کی قیادت میں نیشنل موومنٹ فورسز کا اتحاد، علی الحاج کی قیادت میں پاپولر کانگریس پارٹی، اور مبارک الفاضل والا امہ پارٹی کا دھڑا شامل ہیں۔ اس میں 25 سوڈانی سیاسی شخصیات کے علاوہ بین الاقوامی "خماسیہ میکانزم" (Pentagonal Mechanism) کے مبصرین اور کئی بین الاقوامی کھلاڑی سوڈانی فیصلے کے مستقبل پر بحث کے لیے شریک تھے۔ یہ وہی قوتیں ہیں جنہوں نے پہلے منعقد ہونے والی کانفرنسوں، جیسے 24 مئی 2026 کی نیروبی کانفرنس، میں بھی سیکولرزم کو اپنایا تھا۔

جب استعماری کافر ان سیاسی قوتوں سے اس طرح سیکولرزم پیش کرنے کا مطالبہ کرتا ہے، تو اس کے ترکش میں اب کوئی تیر باقی نہیں بچا۔ لہٰذا یا تو وہ اسے ویسے ہی اپنائیں جیسے وہ چاہتا ہے، ورنہ وہ ان کی جگہ دوسرے ایجنٹ لے آئے گا!! دیکھیئے، "قحت" (FFC) تحریک کے رہنما خالد سلک کس بے شرمی سے اعلان کرتے ہیں کہ "انہیں اس وقت تک سکون نہیں ملے گا جب تک وہ سیڈاو (CEDAW) کو نافذ نہیں کر دیتے، چاہے وہ پارلیمنٹ کے ذریعے ہو یا منتخب حکومت کے ذریعے، اور چاہے عوام اس سے اتفاق کریں یا نہ کریں"!!

کیااس طرح کی پکار کو سوڈان کی رائے عامہ میں کوئی قبولیت حاصل ہو سکتی ہے ؟ سوڈان کی رائے عامہ کا جائزہ لینے والا دیکھ سکتا ہے کہ سیکولر افکار کو کبھی قبولیت نہیں ملی، اور نہ ہی انہیں کبھی دھوکہ دہی کے سوا کسی اور طریقے سے بیچا جاسکا ہے۔ اب پردہ چاک ہو چکا ہے، راز فاش ہو گیا ہے اور عیوب ظاہر ہو چکے ہیں۔ چنانچہ جب دسمبر 2019 کی تحریک کے بعد سوڈان کے سابق وزیر اعظم حمدوک نے نصاب تعلیم تبدیل کرنے کی کوشش کی اور اس میں سیکولر افکار شامل کیے، تو کونسل آف سٹیٹ کے سربراہ کو عوامی غم و غصے کے باعث اس نصاب کو منجمد کرنے کا حکم جاری کرنا پڑا جسے عوام نے مسترد کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ ہم جنس پرستی اور سیڈاو جیسے افکار جو پیش کیے گئے، انہیں بھی کلی طور پر مسترد کر دیا گیا۔ سوڈان کے عوام ان سیکولر لوگوں کو ہی ان تمام مسائل کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں جن کا سوڈان شکار ہے۔

جہاں تک سوڈان میں نافذ العمل نظامِ حکومت کا تعلق ہے، تو وہ مکمل طور پر سیکولر ہے۔ نظامِ حکومت، معیشت، سیاست، سزاؤں کے قوانین اور ریاست کے تمام شعبوں پر سرمایہ دارانہ نظام چھایا ہوا ہے اور ان میں سیکولرزم سرایت کر چکا ہے۔ وہ عسکری قیادت جسے امریکہ لایا ہے، اس کا کام ہی سیکولرزم کے مطابق حکومت کرنا، یہودی وجود کے ساتھ تعلقات استوار کرنا اور اسلام کو اقتدار کے ایوانوں میں واپس آنے سے روکنا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اب سوڈان کی تقسیم، دارفور کی علیحدگی اور اسے چھوٹی چھوٹی سیکولر ریاستوں میں بانٹنے کا ایجنڈا بھی شامل کر لیا گیا ہے تاکہ ان پر قابو پانا اور ان کے وسائل کو لوٹنا آسان ہو جائے۔

سوڈان کے مسائل کا حتمی اور بنیادی حل یہی ہے کہ ہم سوڈانی سیاست سے سیکولرزم کی جڑوں کو اکھاڑ پھینکیں اور اسلامی عقیدے کی جڑوں سے گرد صاف کریں۔ یوں بیج کا اپنی اصل جڑوں سے تعلق قائم ہو جائے گا جس سے ایسا درخت اگے گا جس کی جڑیں مضبوط اور شاخیں آسمان تک ہوں گی۔ تب اسلام اپنے تمام قواعد و ضوابط کے ساتھ ایک نظامِ زندگی کی صورت میں واپس آئے گا، جس میں حاکمیت اللہ کی شریعت کے لیے ہو گی نہ کہ عوام کے لیے۔ عوام کے پاس اقتدار ہو گا، وہ پوری امتِ مسلمہ کے لیے ایک ہی خلیفہ کی بیعت کریں گے، جو صحیح اجتہاد کے ذریعے دستور اور قوانین اپنائے گا، جس کی تفصیلات حزب التحریر نے نہایت وضاحت سے بیان کر دی ہیں۔ اس طرح نبوت کے نقشِ قدم پر خلافتِ راشدہ دوبارہ قائم ہو جائے گی۔

بخاری اور ترمذی کی سرزمین میں بے حیائی اور فحاشی کے میلے

تاشقند کے وسط میں 5 سے 7 جون 2026 تک بیئر فیسٹیول (شراب کا میلہ) منعقد کیا گیا، اور اس میلے کی مناسبت سے 'تاراس شیفچینکو' اور 'سید برکہ' سڑکوں کے کچھ حصوں کو کئی دنوں کے لیے بند کر دیا گیا۔ اشتہار میں دی گئی تفصیلات کے مطابق، اس میلے میں لائیو میوزک پرفارمنس، ڈی جے (DJ) کے پروگرام، کھانے پینے کے اسٹالز، بیئر (شراب) کے مختلف برانڈز اور متنوع تفریحی سرگرمیاں شامل تھیں۔ یہ میلہ روزانہ شام چار بجے سے رات گیارہ بجے تک جاری رہا۔ اس میں دسیوں ہزار نوجوانوں اور غیر ملکی سیاحوں نے شرکت کی، جبکہ بیئر کی بڑی مقدار مفت تقسیم کی گئی، یہاں تک کہ یہ ڈرموں کے حساب سے پیش کی جا رہی تھی اور کچھ شرکاء اسے ایک دوسرے پر چھڑک کر لہو و لعب میں مصروف تھے۔ چند روز بعد یہ میلہ سمرقند شہر میں بھی منعقد کیا گیا۔

الرایہ: اس کھلی برائی پر بہت سے مسلمانوں اور عام لوگوں، بالخصوص اپنے بچوں کے مستقبل کے حوالے سے غیرت رکھنے والے والدین نے شدید غم و غصے اور اس کے منتظمین و شرکاء کے خلاف سخت بیزاری کا اظہار کیا۔ اس کے باوجود، مساجد کے ائمہ، مذہبی عہدیداروں، علماء یا مفتی کی جانب سے کوئی موقف یا تبصرہ سامنے نہیں آیا! اے امتِ مسلمہ! اے بخاری، ترمذی اور مرغینانی کی اولادو! تمہارے حکمران تمہیں کس راستے پر ہانک رہے ہیں؟ اور تمہارے علماء تمہیں کس ڈگر پر بلا رہے ہیں؟ کیا وہ وقت نہیں آگیا کہ تم بیدار ہو جاؤ؟ کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ تم اپنے حکمرانوں اور (سرکاری) علماء کو پہچان لو؟ تم کس کی پیروی کر رہے ہو؟ کس کی سن رہے ہو؟ اور تم نے اپنے معاملات کی باگ ڈور کس کے سپرد کر رکھی ہے؟

قومیں تبھی ترقی کرتی ہیں جب وہ اپنے عقیدے سے نکلنے والے اپنے (آزاد) منصوبے کی مالک ہوں

عراقیوں کے لیے اب یہ سمجھنے کا وقت آگیا ہے کہ حقیقی اصلاح نہ تو میڈیا مہمات سے شروع ہوتی ہے اور نہ ہی چمکدار نعروں سے، بلکہ اس کا آغاز ایک ایسی بنیادی تبدیلی سے ہوتا ہے جو اثر و رسوخ اور مفادات کی بندر بانٹ کے بجائے انصاف کی بنیاد پر اور لوگوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے ریاست کی تعمیرِ نو کرے۔

قوموں کو ہمیشہ کے لیے دھوکہ نہیں دیا جاسکتا، اور تاریخ ہمیں سکھاتی ہے کہ قومیں تبھی اٹھتی ہیں جب وہ فساد (کرپشن) کے اسباب کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتی ہیں، نہ کہ تب جب محض کچھ فاسد لوگوں کی جگہ دوسرے فاسد لوگ لے لیں۔

عراق اس بات کا حقدار ہے کہ وہ اپنے فیصلے کا خود مالک ہو، ہر قسم کی غلامی اور بیرونی ڈکٹیشن سے آزاد ہو، اور اپنے مستقبل کا انتخاب اپنے بیٹوں کے ارادے سے کرے۔ یہ مقصد تبھی حاصل ہوگا جب یہاں کے لوگ یہ جان لیں کہ قوموں کی بیداری ان تمام زنجیروں سے آزادی سے شروع ہوتی ہے جو ان کے ارادے کو سلب کرتی ہیں، اور ایک ایسا نظام قائم کرنے کے لیے بھرپور محنت سے ہوتی ہے جو ان کے عقیدے اور اقدار کی ترجمانی کرے اور ان کی خودمختاری کی حفاظت کرے۔

پس تمہارا ارادہ بیرونی دباؤ سے کہیں زیادہ مضبوط ہونا چاہیے، اور تمہیں ہر قسم کی غلامی اور وابستگی کو مسترد کر دینا چاہیے؛ کیونکہ قومیں اپنا مقام تب تک واپس حاصل نہیں کر سکتیں جب تک وہ اپنے اس آزاد منصوبے کی مالک نہ ہوں جو ان کی اپنی پہچان اور اقدار سے نکلا ہو۔ اور یہ حزب التحریر ہے، وہ سچا اور مخلص رہنما جو اپنے لوگوں سے جھوٹ نہیں بولتا، وہ تمہیں نجات کی کشتی کی طرف بلاتا ہے، اور تمہیں دنیا کی عزت اور آخرت کی دائمی نعمتوں کی دعوت دیتا ہے؛ پس اپنی کھوئی ہوئی عزت اور وقار کی بحالی کے لیے اس کے ساتھ مل کر کام کرنے کے لیے آگے بڑھو۔

"سول اسٹیٹ" اور موجودہ دور کے چیلنجز

تحریر: استاد ناصر رضا

(ترجمہ)

حالیہ عرصہ میں "سول اسٹیٹ" کی اصطلاح ابھر کر سامنے آئی ہے اور مسلم ممالک کے سیاسی حلقوں میں کثرت سے گردش کر رہی ہے۔ یہ اس وقت ہوا جب لوگوں کے ذہنوں سے جمہوریت کی چمک دمک ماند پڑ گئی اور اسلام کے عظیم عقیدے اور اس کے نرم و آسان احکام کے ساتھ اس کا تضاد کھل کر سامنے آ گیا۔ چونکہ استعمار گر کافر مغرب اور مسلم ممالک میں موجود اس کے ایجنٹ جمہوری فکر کی تشہیر اور اسے فروغ دینے میں ناکام رہے، اس لیے وہ دھوکہ دہی کے طور پر "سول اسٹیٹ" کی اصطلاح لے آئے؛ حالانکہ یہ وہی جمہوری نظامِ حکومت ہے جس کا مطلب (جیسا کہ وہ دعویٰ کرتے ہیں) عوام کی مرضی کے مطابق عوام کی حکومت ہے۔

سول اسٹیٹ کی تعریف ایک ایسے سیاسی ادارہ جاتی نظام کے طور پر کی گئی ہے جو مساوی شہریت، قانون کی حکمرانی کی بالادستی، اور حقوق و فرائض میں تمام افراد کے درمیان برابری کی بنیاد پر قائم ہو۔ یہ وہی "قومی ریاست" یا "علاقائی

ریاست" ہے جس کی بنیاد 1648 کے معاہدہ ویسٹ فیلیا میں رکھی گئی تھی، جو کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کے درمیان 30 سالہ جنگ کے بعد ہوا تھا۔ اس جنگ نے ایک ایسی حقیقت کو جنم دیا جس نے تمام یورپی ممالک کو اس بات پر متفق ہونے پر مجبور کر دیا کہ ہر ریاست کی اپنی (جغرافیائی) حدود ہونی چاہئیں۔

یہ معاملہ اگرچہ بظاہر پُرکشش نظر آتا ہے، لیکن یہ اپنے اندر تین پہلوؤں سے فساد سمیٹے ہوئے ہے:

پہلا یہ کہ اس میں قانون سازی کا حق لوگوں کے رب کے بجائے خود لوگوں کو دے دیا گیا ہے، اور یہی ہر اس نظریے کی خرابی کی اصل بنیاد ہے جو وحی پر مبنی نہ ہو؛ کیونکہ انسان اپنی محدود سوچ کی بنا پر قانون ساز بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، وہ ناقص، عاجز اور (اپنے رب کا) محتاج ہے۔

دوسرا یہ کہ سول اسٹیٹ یا جمہوریت کے سرمایہ دارانہ نظریے میں قانون کی پابندی کا تصور یہ ہے کہ اگر آپ قانون کی گرفت سے بچنے کے بارے میں مطمئن ہیں تو آپ کچھ بھی کر سکتے ہیں؛ کافر مغرب میں بدعنوانی کی خبریں، "ایپسٹین جزیرہ" کا معاملہ اور سیاستدانوں و حکمرانوں کے بے نقاب ہونے والے اسکینڈلز اس کی واضح دلیل ہیں۔ اس کے برعکس، اسلام میں احکام پر عمل درآمد کا محرک سب سے پہلے اللہ کے لیے فرد کا تقویٰ ہوتا ہے، پھر نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے معاشرے کا دباؤ، اور پھر ریاست کی قوت اور اس کا اختیار ہوتا ہے۔

تیسرا یہ کہ روئے زمین پر شاید ہی کوئی ایسی ریاست ہو جہاں مختلف نسلوں، رنگوں اور مذاہب کے گروہ آباد نہ ہوں، مگر سول اسٹیٹ اور جمہوریت ان سب کو ایک خطے میں اکٹھا رکھنے اور ان کے درمیان پرامن بقائے باہمی پیدا کرنے میں ناکام رہی ہیں۔ چھوٹی نسلوں کے تحفظ اور ان کے حقوق کی ضمانت کے دعوے کے تحت، ہر گروہ کی انفرادی حیثیت کو مدنظر رکھتے ہوئے سیاسی زندگی میں "تناسبی نمائندگی" کا تصور ایجاد کیا گیا۔

مسلم ممالک میں سول اسٹیٹ کو درپیش نمایاں ترین چیلنجز درج ذیل ہیں:

پہلا: مذہب کے بارے میں اس کا موقف، کیونکہ یہ ایسی کسی بھی قانون سازی یا قوانین کی موجودگی کو روکتی ہے جو عقیدہ اسلام سے پھوٹتے ہوں، حالانکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے: ﴿**إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلهِ أَمَرَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ**﴾ "فیصلہ کا اختیار صرف اللہ ہی کو ہے، اس کا حکم ہے کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو"۔ (سورۃ یوسف: آیت 40) یہی وہ چیز ہے جو ایک مسلمان کے لیے اسے مسترد کرنا لازم کر دیتی ہے، کیونکہ اسلام ایک مکمل دین ہے جس کے اندر سے ریاست اور زندگی کے تمام نظام نکلتے ہیں: ﴿**وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَاناً**

لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾"اور ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کی واضح وضاحت کرنے والی ہے"۔ (سورۃ النحل: آیت 89)

دوسرا: مسلم ممالک میں مختلف نسلوں اور قوموں کا وجود؛ یہ صورتحال ہر ملک میں پائی جاتی ہے اور بعض جگہوں پر تو مسلکی اختلافات بھی موجود ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ سول اسٹیٹ نے اس چیلنج سے کیسے نمٹا؟ ڈچ مفکر آرنت لِج ہارٹ نے روایتی جمہوریت (جس کا مطلب اکثریت کی حکمرانی ہے) کے مقابلے میں نام نہاد "اتفاقِ رائے کی جمہوریت" (Consociational Democracy) کا تصور پیش کیا۔ وہ کہتا ہے کہ: "ایک ایسی سوسائٹی کے لیے جو نسلی، مذہبی اور مسلکی بنیادوں پر بٹی ہوئی ہو، حکومت میں اس کے تمام گروہوں کی کوٹہ سسٹم کے تحت 'تناسبی نمائندگی' اور اقلیتوں کے لیے 'حقِ استرداد' (ویٹو پاور) کا ہونا ضروری ہے"۔ اس کا نتیجہ انتظامی ڈھانچے اور طرزِ حکمرانی میں سستی اور بگاڑ کی صورت میں نکلا، اور اعلیٰ ریاستی عہدوں پر نااہل افراد کی موجودگی کی وجہ سے حکومتیں ناکام ہو گئیں۔ اس کی مثال یوگوسلاویہ میں دیکھی جا سکتی ہے جو سات ریاستوں میں تقسیم ہو گیا، اسی طرح سوڈان دو ملکوں میں بٹ گیا، اور تقسیم و تفریق کا یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

اس کے برعکس، اسلام تمام اقوام کو ایک لڑی میں پرونے کا کام کرتا ہے اور لوگوں اور معاشرے کے مسائل کو نسلی، رنگ، لسانی یا مذہبی مسائل کے بجائے خالصتاً "انسانی مسائل" کے طور پر حل کرتا ہے۔ یہ مسائل انسانی خواہشات کے بجائے "وحی" سے حاصل کردہ قانون سازی کے ذریعے حل کیے جاتے ہیں۔

تیسرا: سیاسی کثرت پسندی (Political Pluralism) کو اپنانا، لیکن ایسی جماعتوں کو اس سے مستثنیٰ قرار دینا جو مذہبی بنیادوں پر قائم ہوں۔ مسلم ممالک میں یقینی طور پر ایسی اسلامی جماعتیں اور گروہ موجود ہوتے ہیں جو ایک اصولی و نظریاتی کشمکش کو جنم دیتے ہیں، جس سے اقتدار کا استحکام خطرے میں پڑ جاتا ہے اور سول اسٹیٹ کی ناکامی کا باعث بنتا ہے۔ یہی صورتحال فوج کے لیے اقتدار پر قبضہ کرنے (بغاوت) کا راستہ مکمل طور پر ہموار کر دیتی ہے۔

چوتھا: معاشرے کے مختلف طبقات کے درمیان اقتدار اور دولت کی تقسیم کا نظریہ ہے۔ یہ تصور حکومت کو ایک ایسا "کیک" بنا دیتا ہے جسے آپس میں بانٹا جانا ضروری ہو، اور دولت کو ایک "مالِ غنیمت" کی شکل دے دیتا ہے جسے سیاستدان کو ہر حال میں حاصل کرنا چاہیے۔ اس کے برعکس، اسلام حکومت کو ایک ذمہ داری، امانت اور رعایا کی بہترین نگہبانی و دیکھ بھال کا نام دیتا ہے۔ اسلام نے اسے شرعی احکام کے تابع کیا ہے، جن میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اسے کیسے حاصل کیا

جائے اور سب کے درمیان کیسے تقسیم کیا جائے؛ چنانچہ حکمران کے لیے اس میں سے کچھ بھی لینا جائز نہیں سوائے اس کے جو وہ اپنے کام کے معاوضے (بدلے) کے طور پر لے۔ مزید یہ کہ سیاسی عمل اللہ کی عبادت اور اس کی اطاعت ہے، نہ کہ محض نوکری یا روزی کمانے کا کوئی ذریعہ۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سول اسٹیٹ کی پکار دراصل اسلام اور اس کے نظاموں کو زندگی سے بے دخل کرنے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی شریعت کو انسانوں کے بنے ہوئے (وضعی) قوانین سے بدلنے کی ایک دعوت ہے۔ لہٰذا، نہ تو اس کے مطابق حکومت کرنا جائز ہے اور نہ ہی اس کی طرف بلانا درست ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ "پس (اے نبی!) آپ کے رب کی قسم، یہ لوگ تب تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے آپس کے جھگڑوں میں آپ کو حاکم نہ بنا لیں"۔ (سورۃ النساء: آیت 65)۔ بلکہ اصل فرض اور واجب یہ ہے کہ اللہ کی شریعت کو ریاستِ خلافت میں نافذ کرنے کی دعوت دی جائے تاکہ اس جاہلیت کی موت سے بچا جا سکے جس سے رسول اللہ ﷺ نے ڈرایا ہے۔

ولایہ سوڈان میں حزب التحریر کی مرکزی رابطہ کمیٹی کے سربراہ

یورپی معیشت کس سمت جا رہی ہے؟

تحریر: استاد نبیل عبد الکریم-(ترجمہ)

یورپ میں اب یہ سوال زیرِ بحث نہیں رہا کہ معاشی ترقی کی شرح کو کیسے بحال کیا جائے، نہ ہی یہ کہ افراطِ زر کو کیسے کم کیا جائے یا توانائی کے بحرانوں پر کس طرح قابو پایا جائے، بلکہ اب یہ سوال کہیں زیادہ گہرا ہو چکا ہے کہ یہ براعظم اپنی صنعتی صلاحیتوں کو کھوئے بغیر اپنی اسٹریٹیجک سلامتی کو کیسے برقرار رکھ سکتا ہے، اور اپنی معیشت کو اس معاشی ماڈل سے دستبردار ہوئے بغیر عالمی مقابلے سے کیسے محفوظ رکھ سکتا ہے جس نے گزشتہ کئی دہائیوں سے اس کی خوشحالی کو ممکن بنایا؟

سرد جنگ کے خاتمے کے بعد سے، یورپی براعظم نے اپنے معاشی ماڈل کی بنیاد تین بنیادی ستونوں پر رکھی تھی: روس سے ملنے والی سستی توانائی، چینی منڈیوں کے ساتھ تجارتی تعلقات، اور دفاعی معاملات میں امریکہ پر انحصار۔ اس ماڈل نے یورپی صنعت کے فروغ کے لیے ایک مثالی ماحول فراہم کیا، خاص طور پر جرمنی میں، جو سستی توانائی، وسیع بیرونی منڈیوں اور امریکی چھتری تلے حاصل ہونے والے دفاعی استحکام کی بدولت یورپی معیشت کا انجن بن گیا۔

لیکن یہ توازن بتدریج بکھرنا شروع ہوا اور پھر روس یوکرین جنگ کے ساتھ انتہائی تیزی سے منہدم ہو گیا۔ یورپ سستی توانائی کے اپنے سب سے بڑے ذریعے سے محروم ہو گیا اور پیداواری لاگت غیر معمولی سطح تک بڑھ گئی، جبکہ چین کے

ساتھ معاشی تعلقات اسٹریٹیجک شکوک وشبہات کے دور میں داخل ہو گئے۔ اسی دوران امریکہ محض ایک دفاعی اتحادی کے بجائے ایک ایسے معاشی حریف میں بدل گیا جو یورپی سرمایہ کاری اور صنعتوں کو اپنی سرزمین کی طرف کھینچنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ان تبدیلیوں کے دوران ایک نیا چیلنج یورپی دفاعی صلاحیتوں کی از سرِ نو تعمیر کی صورت میں سامنے آیا۔ فوجی اخراجات میں طویل عرصے تک کی جانے والی کٹوتیوں اور نیٹو (NATO) پر انحصار نے بہت سی یورپی افواج کو اس اضطراب زدہ حفاظتی ماحول کا سامنا کرنے کے لیے بہت کم تیار چھوڑا ہے۔ اسی لیے یورپی حکومتیں دفاعی بجٹ میں اضافے اور افواج کی جدید کاری اور فوجی صنعتوں کی توسیع کے لیے وسیع پروگرام شروع کرنے پر مجبور ہو گئی ہیں۔

تاہم، یہ دفاعی ضرورتیں ایک انتہائی پیچیدہ معاشی حقیقت سے ٹکرا گئی ہیں۔ براعظم کو بیک وقت اپنی سویلین صنعتوں کو بچانے، ماحول دوست معیشت (گرین اکانومی) کی طرف منتقلی میں مدد دینے، ٹیکنالوجی کی ترقی، جدت طرازی کے فروغ اور امریکہ وچین کے مقابلے میں اپنی مسابقت کی صلاحیت کو برقرار رکھنے کے لیے بھاری سرمایہ کاری کی ضرورت ہے۔ محدود وسائل، عوامی قرضوں کی بلند شرح اور معاشی ترقی کی سست رفتار کی وجہ سے اب دفاعی اخراجات اور صنعتی شعبہ ایک ہی مالیاتی ذرائع کے لیے ایک دوسرے کے مدمقابل آ کھڑے ہوئے ہیں۔

یوں یورپ خود کو ایک ایسی گتھی کے سامنے کھڑا پاتا ہے جس سے وہ دہائیوں سے ناواقف تھا، یعنی سلامتی کے لیے مضبوط صنعت درکار ہے، صنعت کو خطیر سرمایہ کاری کی ضرورت ہے، جبکہ فوجی اخراجات میں اضافہ سویلین معیشت کی مدد کے لیے دستیاب وسائل میں کمی کا باعث بن رہا ہے۔ اسی وقت، یہ براعظم چین کے لیے اپنی منڈیاں مکمل طور پر بند بھی نہیں کر سکتا، کیونکہ وہ چینی مصنوعات اور سپلائی چینز پر انحصار کرتا ہے، اور نہ ہی وہ صنعتوں کو اپنی طرف راغب کرنے کے لیے امریکہ کی جانب سے دی جانے والی بڑی مالی ترغیبات کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

یہ تضاد محض کوئی عارضی مالیاتی بحران نہیں ہے، اور نہ ہی یہ صرف یوکرین کی جنگ کا براہِ راست نتیجہ ہے، بلکہ یہ عالمی معاشی نظام کے ڈھانچے میں آنے والی ایک گہری تبدیلی کا عکس ہے۔ اب عالمی مقابلہ صرف تجارت کے حجم یا پیداواری لاگت میں کمی سے طے نہیں پاتا، بلکہ اس کا معیار اب یہ بن چکا ہے کہ ریاستیں کس حد تک اپنی صنعتوں کا تحفظ کرنے، اپنی سپلائی چینز کو محفوظ بنانے اور معیشت کو جغرافیائی سیاسی قوت (جیو پولیٹیکل پاور) کے ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

اسی لیے، موجودہ یورپی پالیسیوں کو اسٹریٹیجک ماحول سے الگ کر کے محض معاشی فیصلوں کے طور پر سمجھنا ممکن نہیں ہے، بلکہ اس کے لیے یہ ادراک ضروری ہے کہ یورپ ایک نئے مرحلے میں داخل ہو چکا ہے۔ اس مرحلے میں وہ 'کھلی

منڈی کی معیشت'(اوپن مارکیٹ اکانومی) کی منطق سے نکل کر 'قومی سلامتی کی معیشت' کی منطق کی طرف منتقل ہو گیا ہے، جہاں صنعت، توانائی، ٹیکنالوجی اور دفاعی اخراجات ایک ایسی وسیع تر جنگ کی باہم جڑی ہوئی کڑیاں بن چکے ہیں جس کا مقصد ایک ایسے بین الاقوامی نظام میں اس براعظم کے مقام و مرتبہ کا از سرِ نو تعین کرنا ہے جو بڑی طاقتوں کے درمیان بڑھتی ہوئی کشمکش اور گروہ بندی کی طرف مائل ہے۔

آنے والے دن بڑی حیرتوں سے بھرپور ہیں، خاص طور پر معاشی اور جغرافیائی سیاسی (جیو پولیٹیکل) محاذوں پر، کیونکہ مستقبل میں ہونے والی تبدیلیاں یقینی طور پر موجودہ حکمران عالمی نظام کی ہیئت کو بدل کر رکھ دیں گی۔ تمام شواہد یہ بتا رہے ہیں کہ یہ نظام روز بروز اپنی قانونی و اخلاقی حیثیت (شرعیت) کھوتا جا رہا ہے، یہاں تک کہ اس پر بڑھاپے اور کمزوری کے آثار ظاہر ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ اب جیسے ہی کوئی ایسا دوسرا آیڈیالوجی (مبدأ) سامنے آئے گی جس میں قیادت کی صلاحیتیں ہوں گی، وہ اسے روئے زمین سے ختم کر دے گی۔

اور اسلامی آیڈیالوجی کے سوا کوئی اور نظریہ ایسا نہیں جو یہ کارنامہ انجام دے سکے، کیونکہ یہی وہ واحد نظریہ ہے جو دنیا کو امن و سلامتی کے ساحل تک لے جانے اور اسے اس معاشی تنگی اور بدحالی سے نکالنے کی صلاحیت رکھتا ہے جس میں وہ کئی دہائیوں سے جکڑی ہوئی ہے۔

پس عالمی منظرنامے پر اس (نظام) کے ظہور اور اس کے نور و عدل کے پھیلاؤ کے لیے ایسے مخلص اور سچے مردِ مومن درکار ہیں جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچ کر دکھایا ہو، اور جنہوں نے اسلامی زندگی کے دوبارہ آغاز اور خلافتِ راشدہ کے قیام کا پختہ ارادہ کر رکھا ہو، تاکہ رسول اللہ ﷺ کی اس خوشخبری کی تکمیل ہو سکے کہ: **«ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ»** (پھر نبوت کے طریقے پر خلافت ہو گی)۔

اے امتِ مسلمہ کے نوجوانو! آج فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اگر ہم نے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیا، ان غدار حکمرانوں اور ان کے کارندوں کا طوق اتار پھینکا، اپنے ملکوں اور وسائل پر مغربی تسلط کو ختم کر دیا اور خلافتِ راشدہ قائم کر لی، تو اللہ کے حکم سے امت کی عزت اور عظمت بہت جلد لوٹ آئے گی۔ پس آگے بڑھو اور اس کے قیام کے لیے ہمارے ساتھ مل کر کام کرو، تاکہ ہم اس امت اور پوری دنیا کے لیے خیر و بھلائی لانے میں جلدی کر سکیں۔

﴿وَأَلَّوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ لَأَسْقَيْنَاهُم مَّاءً غَدَقًا﴾ "اور اگر وہ لوگ (دین کے) راستے پر ثابت قدم رہتے، تو ہم انہیں وافر پانی (رزق) سے سیراب کرتے۔ (سورۃ الجن: آیت 16)

مسلمانوں کی سلامتی نہ بین الاقوامی توازن سے حاصل ہو گی اور نہ مغربی وعدوں سے

تمام مسلم افواج کو اپنی ذمہ داری کی اصل حقیقت کو سمجھنا چاہیے کہ ان کا کام حکمرانوں کا تحفظ کرنا نہیں بلکہ ملک و مقدسات کی حفاظت کرنا اور دنیا تک اسلام کا پیغام پہنچانا ہے۔ اس لیے ان پر واجب ہے کہ وہ غاصب یہودیوں کی جڑ کاٹنے کے لیے حرکت میں آئیں، اور غزہ، پورے فلسطین، شام اور ان تمام علاقوں کے مظلوموں کی نصرت کے لیے اٹھ کھڑے ہوں جہاں یہودیوں کی مجرمانہ کارروائیاں جاری ہیں۔ یہودی وجود کے ساتھ آنے والا ناگزیر ٹکراؤ امت کے تمام بیٹوں سے اس بات کا مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس کے لیے تیار ہو جائیں۔ حکمرانوں کی کوتاہی یا افواج کی اپنے فرض سے غفلت امت کو اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ وہ انہیں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ذریعے راہِ راست پر لانے کی کوشش کرے اور غفلت برتنے والوں کا ہاتھ تھامے، تاکہ ہم یہودی وجود کے ساتھ اس بڑے معرکے کے لیے مکمل تیار ہوں جس میں فتح ہمارا مقدر ہو گی جیسا کہ اللہ عزوجل نے ہم سے وعدہ کیا ہے اور جیسا کہ اس کے رسول ﷺ نے ہمیں یہ خوشخبری دی ہے:

(لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يُقَاتِلَ الْمُسْلِمُونَ الْيَهُودَ فَيَقْتُلُهُمْ الْمُسْلِمُونَ، حَتَّى يَخْتَبِئَ الْيَهُودِيُّ مِنْ وَرَاءِ الْحَجَرِ وَالشَّجَرِ، فَيَقُولُ الْحَجَرُ أَوْ الشَّجَرُ: يَا مُسْلِمُ يَا عَبْدَ اللَّهِ، هَذَا يَهُودِيٌّ خَلْفِي فَتَعَالَ فَاقْتُلْهُ، إِلَّا الْغَرْقَدَ فَإِنَّهُ مِنْ شَجَرِ الْيَهُودِ) "قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو گی جب تک کہ مسلمان یہودیوں سے جنگ نہ کریں اور مسلمان انہیں قتل نہ کر دیں، یہاں تک کہ یہودی پتھر یا درخت کے پیچھے چھپے گا تو وہ پتھر یا درخت پکار اٹھے گا: اے مسلمان! اے اللہ کے بندے! یہ یہودی میرے پیچھے (چھپا) ہے، آؤ اور اسے قتل کر دو، سوائے 'غرقد' کے کیونکہ وہ یہودیوں کا درخت ہے۔" (صحیح مسلم)

شام کی سلامتی اور اس کی عزت بین الاقوامی توازن یا مغربی وعدوں سے حاصل نہیں ہو گی، بلکہ یہ حملہ آور کے ہاتھ کاٹنے، اس کا نام و نشان مٹانے اور مسلمانوں کے خون، ان کی عزتوں اور ان کے مقدسات کا انتقام لینے سے حاصل ہو گی، اور یہ سب تبھی ممکن ہے جب نبوت کے نقشِ قدم پر خلافتِ راشدہ کے سائے میں اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق نظامِ حکومت قائم کیا جائے۔

اسلامی ممالک کا اس منظم فساد سے نکلنے کا راستہ جو استعماری مغرب نے ان پر مسلط کر رکھا ہے

مسلم ممالک کے لیے اس منظم فساد (کرپشن) سے نکلنے کا اصل حل جسے استعماری کافر مغرب نے ان پر نافذ کیا ہے، اور جسے ایسے قوانین کے ذریعے جکڑ دیا ہے جنہوں نے اداروں اور افراد کے فساد کو ریاست کے اثر و رسوخ کا سہارا فراہم کیا اور اسے ہر قسم کے احتساب سے آزاد رکھا... اس تلخ حقیقت سے نکلنے کے لیے ہم پر لازم ہے کہ ہم ان حقیقی جڑوں کی طرف لوٹ جائیں جنہوں نے ہمیں ایک لڑی میں پرو دیا اور ہمیں ایک ایسی عظیم ریاست بنایا جس نے 1300 سال سے زائد عرصے تک دنیا پر حکمرانی کی، یعنی رسول اللہ ﷺ کا منہج اور ریاست کی تعمیر میں آپ ﷺ کا طریقہ کار، تاکہ ہم اپنی اس کھوئی ہوئی عزت کو دوبارہ حاصل کریں جو اللہ کی مضبوط رسی (عروۃ الوثقیٰ) سے ناطہ توڑنے کی وجہ سے ضائع ہوئی، اور ہم خلافتِ راشدہ کے قیام کے ذریعے اپنے کریم رسول ﷺ کی بشارت کو پورا کریں۔

لیکن یاد رہے کہ یہ عظیم مقصد محض دعاؤں اور نعروں سے حاصل نہیں ہو گا، بلکہ اس کے لیے امت میں رائے عامہ کو تبدیل کرنے کی انتھک اور مسلسل جدوجہد درکار ہے، تاکہ یہ رائے عامہ ایک ایسے شعورِ عامہ کا نتیجہ ہو جو اسلام کے افکار اور اس کے احکام پر مکمل یقین رکھتا ہو۔ اللہ کا شکر ہے کہ ایک ایسی جماعت موجود ہے جس نے اس منصوبے کو اپنا نصب العین بنایا، جو رسول اللہ ﷺ کے نقشِ قدم پر چلی، اور جس نے ایک ایسی جماعت (حزب) منظم کی جو اپنے افکار میں نہایت بلند پایہ ہے، کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ کے ہر پہلو پر سختی سے قائم ہے، اور اس نے ریاستِ خلافت کے قیام کے لیے ہر ممکنہ علمی و عملی تیاری مکمل کر لی ہے، ان شاء اللہ۔

اے اہلِ قوت و نصرت! اور اے خیر کے علمبردارو! حزب التحریر کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے کے لیے اٹھ کھڑے ہو، تاکہ ہم اللہ کے کلمے کو بلند کریں، اس کی ریاست قائم کریں، اور اس کی شریعت کو نافذ کریں، تاکہ وہ ہم سے راضی ہو جائے اور ہم دوبارہ وہی 'خیرِ امت' بن جائیں جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:﴿ **كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْراً لَّهُمْ مِّنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ** ﴾ "تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں (کی ہدایت) کے لیے نکالی گئی ہے، تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو، اور اگر اہلِ کتاب (بھی) ایمان لے آتے تو ان کے لیے بہت بہتر ہوتا، ان میں سے کچھ تو ایمان لانے والے ہیں اور ان کے اکثر لوگ نافرمان ہیں۔" (سورۃ آل عمران: آیت 110)

اے ارضِ مبارک کے باسیو! اپنے آپ کو اس گندگی سے آلودہ نہ کرو جس میں "پی ایل او" لتھڑی ہوئی ہے

اے ارضِ مبارک (فلسطین) کے باسیو! اپنے آپ کو اس (گندگی) سے آلودہ نہ کرو جس میں "پی ایل او" لتھڑی ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ کی اس پکار پر لبیک کہو: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ "اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو اور (نہ) اپنی امانتوں میں خیانت کرو، حالانکہ تم جانتے ہو۔" (سورۃ الانفال: آیت 27)

بے شک مسجدِ اقصیٰ اور یہ ارضِ مقدس ایسے مومن مردوں کی محتاج ہے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے کیے گئے عہد کو سچ کر دکھایا ہو؛ جو امتِ مسلمہ اور اس کی افواج کو خلافت کے قیام اور بیت المقدس کی آزادی کے لیے متحرک کریں، اور جو امتِ مسلمہ کو اس بات پر ابھاریں کہ وہ دعوت اور اللہ کی راہ میں جہاد کے ذریعے اسلام کا پیغام (پوری دنیا تک) پہنچائے۔ اور جان لو کہ امریکہ اور یہودیوں کی اطاعت کھلا خسارہ ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تُطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يَرُدُّوكُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِينَ﴾ "اے ایمان والو! اگر تم کافروں کا کہا مانو گے تو وہ تم کو الٹے پاؤں پھیر دیں گے، پھر تم نامراد ہو کر رہ جاؤ گے۔ بلکہ اللہ ہی تمہارا مولیٰ ہے اور وہ بہترین مددگار ہے۔" (سورۃ آل عمران: آیت 149-150) اور مومنوں کے لیے اللہ کی نصرت، حق پر ان کے بہترین ثبات (استقامت) اور اللہ تعالیٰ پر ان کے سچے توکل سے حاصل ہوتی ہے۔